سید حامد علی

تحریک اسلامی
اور
رانِ وطن

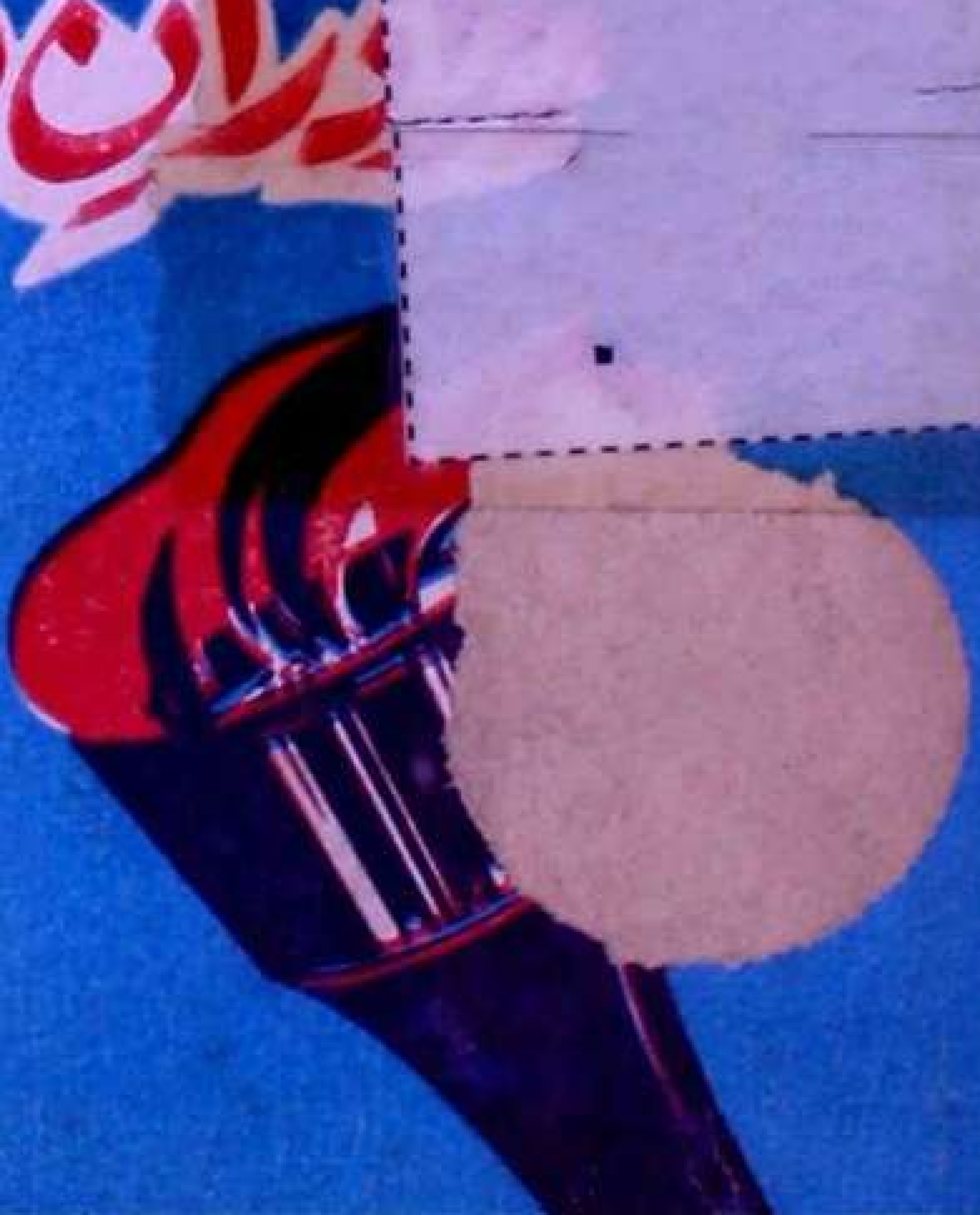

مرکزی
مکتبہ اسلامی
دہلی

مطبوعاتِ اشاعتِ اسلام ٹرسٹ ـــــ ۳۹۳

تحریکِ اسلامی

اور

برادرانِ وطن

مولانا سیّد حامد علی

مرکزی مکتبۂ اسلامی دہلی ۶

بار اوّل ـــــــــــــــ جون ۱۹۷۹ء

تعداد ـــــــــــــــــــ ۲۰۰۰

قیمت ـــــــ ۲/=

جے۔ کے آفسٹ پرنٹرز۔ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریکِ اسلامی اور برادرانِ وطن

اِسلام واحد دینِ حق ہے جس کے سوا خُدا کے ہاں کوئی دین مقبول نہیں ہے، نہ اسے چھوڑ کر کسی اور دین سے اُخروی فلاح کا حصُول ممکن۔ قرآن مجید صاف اور صریح الفاظ میں کہتا ہے :۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ○ (آلِ عمران، ۸۵)

جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا اس کا دین (خدا کے یہاں) مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں ناکام و نامُراد ہوگا۔

اِسلام اگرچہ تمام انبیاء کا دین رہا ہے مگر اُس کا محفوظ، مکمل، مستند اور آخری ایڈیشن وہ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ مجید کے ذریعہ نوعِ انسانی کو ملا ہے :۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ـــ مائدہ، ۳

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا، تم پر اپنی نعمتیں تمام کردیں اور اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے میں نے پسند کرلیا۔

اب پچھلے انبیائ کے پیرووں — اہلِ کتاب — سمیت سب انسانوں کے لیے نجات اور آخرت کی ابدی کامرانی کی ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دینِ حق — اسلام — کو قبول کر کے اس کی پیروی کریں، قرآنِ مجید میں ہے:-

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ○ فَاِنْ حَآجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰہِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ○

—— آلِ عمران، ۱۹، ۲۰

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اللہ کے نزدیک دینِ (حق) صرف اسلام ہے اور اہلِ کتاب نے (اس دین سے) اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا، اختلاف کیا ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے اور جو کوئی آیاتِ الٰہی کا انکار کرے گا (اللہ اس سے جلد حساب لے گا) بلا شبہ اللہ بہت تیز حساب لینے والا ہے تو (اے نبی!) لوگ تم سے بحثا بحثی کریں تو کہہ دو، میں نے اور میرے پیرووں نے تو اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا ہے اور اہلِ کتاب اور ان پڑھ لوگوں (عربوں) سے کہو، کیا تم بھی (اسی طرح) اسلام لاتے ہو؟ اگر وہ اسلام

لائیں گے تو ہدایت یاب ہوں گے اور اگر وہ مُنہ موڑیں تو تم پر صرف تبلیغ کی ذمہ داری ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

قرآنِ مجید نے آغاز ہی میں یہ بات واضح کردی ہے کہ ہدایت و فلاح سے وہی لوگ ہم کنار ہوں گے جو گزشتہ نبیوں اور کتابوں کے ساتھ آخری نبی حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری کتاب قرآن مجید پر بھی ایمان لائیں اور ان کی زندگی اس ایمان کے مطابق ہو۔ سورۂ بقرہ کی ابتدا ان آیات سے ہوتی ہے:۔

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ـــــ بقرہ ۱ تا ۵

الف، لام، میم، یہ کتاب (الٰہی) ہے، اِس (کے کتاب الٰہی ہونے) میں کوئی شبہ نہیں، ہدایت ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لیے، جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے بخشا ہے اُس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں اور جو اُس (کتاب) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل کی گئی اور اُن (کتابوں) پر بھی جو تم سے پہلے نازل ہوئیں اور وہ آخرت پر (پورا) یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص ملک، قوم یا دَور کے نہیں، سب

انسانوں کے نبی و رسول ہیں :-

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ ——— انبیاء، ۱۰۷

(اے محمد!) ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر (تمام) اہل عالم کے لیے!

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔

(اے نبی!) ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر سب انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر

آپ اللہ کے آخری نبی ہیں اس لیے قیامت تک کے سب انسانوں کے لیے آپ نبی و رسول ہیں :-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ ——— احزاب، ۴۰

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں ، وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں میں سے سب سے آخری نبی!

آپ کے لائے ہوئے دین، اسلام سے نہ صرف یہ کہ سب انسانوں کی اخروی نجات اور ابدی فلاح وابستہ ہے بلکہ اُن کی دنیوی کامرانی و سربلندی بھی اسی پر منحصر ہے :-

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○

——— آل عمران، ۱۳۹

کمزور نہ پڑو، غم نہ کرو، تم ہی غالب و سربلند ہوگے بشرطیکہ تم (سچے) ایمان والے ہو!

سورۂ یونس میں اسی حقیقت کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے:۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَہُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ ط لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ہُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ ——— یونس، ۶۲ تا ۶۴

سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، انہیں (آخرت میں) کوئی خوف نہیں، نہ وہ غم سے دوچار ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور خدا کی نافرمانی سے بچتے رہے، اُن کے لیے اس زندگی میں (کامرانی و سربلندی کی) خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی (نجات و فلاح کی)۔ اللہ کے فیصلوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، یہی عظیم الشان کامرانی ہے!

قرآنِ مجید کی اِن واضح تعلیمات پر ہمارا ایمان ہے، اس ایمان و یقین کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہم اِس دین کی طرف زیادہ سے زیادہ انسانوں کو دعوت دیں اور انہیں راہِ حق دکھانے کے لیے اپنا پورا زور صرف کر دیں۔ آدمی جس راہ کو حق سمجھتا ہے اُس پر تنہا نہیں چلتا۔ اُس کا ایمان و یقین اُسے مجبور کرتا ہے کہ وہ دُوسرے انسانوں کو بھی اس راہ پر چلنے کی دعوت دے خصوصاً جب کہ یہ افراد اُس کے اپنے گھر، اُس کے اپنے محلہ، اُس کی اپنی بستی اور اس کے اپنے ملک کے لوگ ہوں اور جب کہ یہ دعوت کوئی معمولی دعوت نہ ہو، اُسے قبول کرنے کا نتیجہ دنیا و آخرت، دونوں کی کامرانی اور رد کرنے کا نتیجہ دنیا و آخرت، دونوں کا خسران ہو، کیا اس سے بڑھ کر انسانیت کی کوئی خدمت ہو سکتی ہے کہ ہم

بھٹکے ہوئے انسانوں کو ضلالت و گمرہی سے نکال کر دنیوی کامرانی اور اُخروی فلاح کے راستہ پر لے آئیں ؟ اور کیا اس سے بڑھ کر شقاوت اور انسانیت پر ظلم کی کوئی بات ہوگی کہ ہم بے شمار انسانوں کی دُنیا و آخرت کو تباہ ہوتے دیکھیں اور انہیں اِس تباہی سے بچا سکتے ہوں مگر ہم ٹس سے مس نہ ہوں۔ اگر اپنی بستی میں لگی ہوئی آگ کو بجھانے اور لوگوں کو اُس سے بچانے کے لیے ہم بے تحاشا دوڑ پڑتے ہیں اور جو کچھ ہم سے ہوسکتا ہے اُسے کر گزرتے ہیں تو ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم انسانوں کے عظیم انبوہ کو جہنّم کی ہولناک آگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر انہیں بچانے کے لیے بے چین نہیں ہوتے ، کیا ہمیں اِسلام کے دینِ حق ہونے پر ایمان و یقین نہیں ہے یا کیا ہمارے اس یقین میں کمی ہے کہ کفر و شرک کا انجام آخرت کا دردناک اور ہولناک عذاب ہے یا ہمیں جنت کی ابدی و لازوال نعمتوں کا کوئی اندازہ اور جہنم کے دائمی اور ہولناک عذاب کا احساس نہیں ہے یا ہمارے دل انسانیت کے درد سے خالی ، محض پتھّر کے ٹکڑے ہیں کہ ہم بے شمار بندگانِ خُدا کی دنیا تباہ ہوتے اور جہنّم کی دہکتی ہوئی آگ کی طرف انہیں بڑھتے دیکھتے ہیں مگر ہمارے اندر کوئی اضطراب رونما نہیں ہوتا ، ہماری نیندیں اُچاٹ نہیں ہوجاتیں اور بندگانِ خُدا کو اس ہولناک عذاب سے بچانے کے لیے تڑپ نہیں اُٹھتے ؟ آخر کوئی وجہ تو ہماری غفلت کی ہے ! ہم اپنی قلبی کیفیات کا ذرا گہرا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ایسا کیوں ہے ، کیا یہ صرف ہماری بے عملی و بے حسی کی بات ہے یا اس کی جڑیں خدانخواستہ ہمارے ایمان و یقین تک پھیلی ہوئی ہیں اور ہم ضعفِ ایمان کے خطرناک روگ کا شکار ہیں ؟

دعوتِ دین یقیناً یہ ہمارے دینی حس اور ہماری ایمانی فطرت کا بدیہی تقاضا ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ بندگانِ خدا کو دینِ حق کی طرف دعوت دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے، جو ہماری کمزوریوں سے ہم سے کہیں زیادہ واقف ہے، اس امر کو ہماری ایمانی حس اور دینی فطرت پر نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ صاف و صریح الفاظ میں نہ صرف یہ کہ یہ حکم دیا کہ دینِ حق کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے بلکہ یہ بھی واضح فرمایا کہ دعوت کس طرح دی جائے:۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ —— نحل، ۱۲۵

اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے بحث کرو اُس طریقہ سے جو بہترین ہو۔

سُورۂ آلِ عمران میں اہلِ ایمان کو خدا ترسی، اعتصام بحبل اللہ اور اسلامی اجتماعیت کی تلقین کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ — آلِ عمران ۱۰۴

اور تم کو ایک ایسا گروہ بن جانا چاہیے جو خیر — اسلام — کی طرف دعوت دیتا ہو، نیکی کا حکم کرتا ہو اور بُرائی سے روکتا ہو اور یہی گروہ (دنیا و آخرت میں) فلاح و کامرانی سے ہم کنار ہے۔

چند آیات کے بعد اُمّتِ مسلمہ کو "خیرِ امّت" قرار دیتے ہوئے اللہ نے فرمایا:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ـــــ آلِ عمران، ۱۱۰

تم بہترین اُمّت ہو، جسے انسانوں (کی ہدایت واصلاح) کے لیے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم کرتے ہو، بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ان آیات سے واضح ہوا کہ دعوتِ دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بغیر نجات و فلاح کا حصول ممکن نہیں، یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ امور صرف اہلِ ایمان کے فرائض نہیں، بلکہ ہر مسلمان اور اُمّتِ مسلمہ کی بنیادی صفات اور اس کے مقاصدِ وجود ہیں اور یہ حقیقت بھی منتج ہو کر سامنے آگئی کہ اُمّتِ مسلمہ خیرِ اُمّت کے مقام پر اُسی وقت فائز ہو سکتی ہے جبکہ وہ انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مفوّضہ فرائض انجام دے۔

یہاں اس بات کی وضاحت کی غالباً ضرورت نہیں ہے کہ بے عمل مسلمانوں کی اصلاح کا کام "دعوتِ دین" کا وہ کام نہیں ہے جس کا ذکر قرآنِ مجید کی ان آیات میں ہے، مسلمان مدعو نہیں، داعی ہیں، دعوت کے اصل مخاطب غیر مسلم ہیں۔ جو اُمّتِ مسلمہ کے دائرے سے خارج اور اسلام سے متنفر یا بے نیاز ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ اور اس کے دین کی طرف بلانا، شرک پر تنقید کر کے انہیں توحید کی راہِ راست دکھانا اور جنت کی ابدی کامرانی اور جہنم کے دائمی عذاب سے انہیں روشناس کرنا دعوت کا اصل کام ہے۔ دعوت کا یہ کام نہ صرف یہ کہ انسانوں کی سب سے بڑی بھی خواہی ہے بلکہ خود داعی کے لیے غیر معمولی اجر کا موجب

ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَیْئًا —— بخاری، مسلم

جو شخص ہدایت کی طرف (لوگوں کو) دعوت دے گا اُسے ان تمام لوگوں کے اجر کے برابر اجر ملے گا جو اس کی دعوت کی پیروی کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو اور جو گمراہی کی طرف (لوگوں کو) دعوت دے گا اُسے ان تمام لوگوں کے برابر گناہ ہوگا جو اُس کی دعوت پر لبیک کہیں گے بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی ہو۔

شہادتِ حق

قرآنِ مجید سے واضح ہوتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کا اصل مقام شہداء اللہ علی الناس کا ہے اور امت کا مقصدِ وجود "شہادتِ حق" ہے ۔ سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل پر، جنہیں اس سے قبل شہادتِ حق کے لیے چُنا گیا تھا، تفصیلی تنقید کے بعد اعلان کیا گیا :۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا —— (۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تم کو بہترین اُمت بنایا تاکہ تم انسانوں پر (حق کے) گواہ بنو اور رسول تم پر حق کے گواہ بنیں۔

اور سورہ حج کے آخر میں پوری سورت کی تعلیمات اور حقیقتہً پورے

دین کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

یَآ اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ۭ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ۭ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۥ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَاۗءَ عَلَی النَّاسِ ښ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ۭ ھُوَ مَوْلٰکُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۝

——— حج ، ۷۷ ، ۷۸

اے ایمان لانے والو! جُھک جاؤ ، سجدہ ریز ہو جاؤ ، اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو ، اُمید ہے کہ تم فلاح و کامرانی سے ہم کنار ہوگے اور اللہ (کی راہ) میں جدّ و جہد کرو جیسا کہ (اس کی راہ میں) جدو جہد کرنے کا حق ہے ، اس نے تم کو (اسی کام کے لیے) چُنا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے ، یہ تمہارے باپ ابراہیم کا مسلک ہے ، اسے اختیار کرو ، انہی نے تمہارا نام "مسلم" اب سے قبل رکھا ہے اور اس (قرآن) میں بھی تمہارا نام "مسلم" ہے تاکہ رسُول تم پر (حق کے) گواہ ہوں اور تم انسانوں پر (حق کے) گواہ ہو تو نماز قائم کرو ، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کی پناہ میں آجاؤ ، وہ تمہارا مولیٰ ہے تو بہترین مولیٰ ہے وہ اور بہترین مددگار ہے وہ !

اِن آیات سے واضح ہوا کہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اُمتِ مسلمہ کے سامنے حق کی قولی و عملی شہادت دیں اور اس شہادت کے بعد یہ ذمہ داری اُمتِ مسلمہ کی ہے کہ وہ نوعِ انسانی کے سامنے اپنے قول وعمل سے دینِ حق کی سچی گواہی دے، اِس شہادت کے ادا کرنے بعد ہی اُمتِ مسلمہ اُخروی نجات و فلاح سے ہم کنار اور عند اللہ وعند الناس اپنی ذمہ داری سے بری ہوسکتی ہے

شہادتِ حق کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ انبیائے علیہم السّلام کا بنیادی کام ہے، دینِ حق، جسے قبول کرنے پر نوعِ انسانی کی اُخروی فلاح اور دنیوی کامرانی کا انحصار ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اِس دین کو بے کم وکاست بندگانِ خُدا تک پہنچادیں اور اپنی پُوری زندگی اور اپنے تمام اقوال واعمال سے اس دین کی عملی شہادت دیں، اگر انبیاء علیہم السّلام اس ذمہ داری کو کما حقہ انجام دے دیتے ہیں تو وہ عند اللہ جواب دہی سے سبک دوش اور اجرِ عظیم کے مستحق قرار پاتے ہیں اور جو لوگ اِس "شہادتِ حق" کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتے وہ دُنیا و آخرت میں خُدا کے عذابِ الیم کے مستحق ہوتے ہیں لیکن اگر انبیاء علیہم السّلام بفرضِ محال اِس ذمّہ داری کو کما حقہ انجام دینے میں کوتاہی برتیں تو منکرین سے پہلے وہ عند اللہ مواخذہ کے مستحق قرار پائیں گے۔ جواب دہی کا یہی وہ عظیم احساس ہے جو انبیاء علیہم السّلام کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا اور وہ اپنے پُورے وجود، اپنے ہر قول وعمل اور اپنی ساری مساعی سے حق کی شہادت ادا کرتے اور زندگی کی آخری سانس تک یہ کام کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوتے تھے۔

لیکن انبیاء علیہم السلام شہادتِ حق کی یہ ذمہ داری تنہا انجام نہیں دیتے بلکہ وہ اس کے لیے "اُمّتِ مسلمہ" کی تشکیل کرتے ہیں اور اس کے سامنے اپنے قول وعمل سے حق کی شہادت ادا کرکے اُسے اُس حق کا امین بنادیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے پاس تھا۔ اُمت نبی کی زندگی میں بنی کے مشن میں اُس کا ہاتھ بٹاتی اور تن، من، دھن سے اُس کی مدد کرتی ہے اور اِسی مناسبت سے "اَنْصَارُ اللہ" کہلاتی ہے۔ سُورۂ صف میں ہے:-

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ
مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ
اَنْصَارُ اللّٰهِ ـــــــ صف، ۱۴

اے ایمان لانے والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جس طرح عیسیٰ بن مریم نے حوارین سے کہا تھا، کون ہیں میرے مددگار اللہ کی طرف (چلنے اور دعوت دینے میں) حوارین نے کہا، ہم ہیں اللہ کے مددگار!

اور انبیاء کے دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد "شہادتِ حق" کی یہ عظیم ذمہ داری ان کی اُمّتِ مسلمہ کے سر آجاتی ہے، وہ اگر اس ذمہ داری کو کما حقہٗ ادا کرتی ہے تو عنداللہ جواب دہی سے سبکدوش اور آخرت میں جنت کی ابدی نعمتوں اور دُنیا میں خدا کی نصرت ورحمت کی مستحق ہوتی ہے اور جو لوگ اِس "شہادتِ حق" کے باوجود حق کو قبول نہ کریں وہ عذابِ الیم کے سزاوار ہوتے ہیں لیکن اگر امت نوعِ انسانی کے سامنے حق کی قولی وعملی شہادت دینے میں کوتاہی برتتے تو لوگوں کے کفر، شرک، الحاد اور فسق و فجور کی ذمہ داری

اُمّت پر آتی ہے اور وہ دُنیا اور آخرت میں اس کے عظیم وبال سے نہیں بچ سکتی۔

ہر نبی کے بعد اُس کی تشکیل دی ہوئی اُمّتِ مسلمہ کی یہ ذمہ داری تھی لیکن حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے جس اُمّتِ مسلمہ کی تشکیل کی، اُس کی ذمہ داری تمام گزشتہ اُمّتوں سے زیادہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں اور قیامت تک ہونے والے تمام انسانوں کے نبی ہیں، دنیا کے تمام انسانوں کی نجات اور دنیوی واُخروی فلاح آپ پر ایمان لانے اور آپ کی پیروی کرنے پر موقوف ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ اپنے زمانے کے تھوڑے انسانوں۔ اہلِ عرب۔ ہی تک اپنی دعوت پہنچا سکے اور یہ کام بھی آپ نے تنہا نہیں، اپنے زمانے کی "اُمّتِ مسلمہ"۔ صحابۂ کرامؓ۔ کے اشتراک و تعاون سے کیا۔ بلاشبہ آپ نے قرب و جوار کے سلاطین تک بھی اپنا پیغام پہنچایا مگر دنیا کے سب فرماں رواؤں اور عالمِ انسانی کے سب افراد تک نہیں، نہ یہ بات آپ کے بس میں تھی اور اب تو آپ کو وفات پائے تقریباً چودہ سو برس ہوتے ہیں، اُس وقت سے لے کر قیامت تک دُنیا کے اربوں کھربوں انسانوں تک وہ دین کس طرح پہنچے گا جس پر ایمان لانا ان کی اُخروی نجات کے لیے ضروری ہے اور اُس حق کی شہادت کون دے گا جس کو اپنانے میں نوعِ انسانی کی دنیوی کامرانی اور اُخروی فلاح ہے؟ یقیناً یہ ذمہ داری امتِ مسلمہ ہی کی ہے کہ وہ رہتی دُنیا تک اللہ کے رسُول کی دعوت کو سب انسانوں تک پہنچائے اور اپنے قول و عمل سے اس کی بے لاگ، بے کم و کاست اور سچی

گواہی دے۔ اگر امتِ مسلمہ نے یہ ذمہ داری ادا کر دی تو وہ عنداللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش قرار پائے گی اور عام انسانوں سے بازپرس ہو گی کہ انھوں نے اُس حق کے ساتھ کیا معاملہ کیا جو امتِ مسلمہ نے اپنے قول و عمل سے ان کے سامنے پیش کیا تھا لیکن اگر امت نے شہادتِ حق کے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی برتی تو بے شمار انسانوں کی ضلالت و گمراہی کی ذمہ داری امتِ مسلمہ پر آئے گی اور وہ دنیا و آخرت میں خُدا کے عذاب سے نہ بچ سکے گی۔

یہاں پر پھر ایک غلط فہمی ذہنوں میں پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر دین کی دعوت اور شہادتِ حق کا جذبہ رکھنے والے افراد مسلمانوں کے سامنے اپنے قول و عمل سے حق کی شہادت دے دیں تو وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتے ہیں، غیر مسلموں تک کلمۂ حق پہنچے یا نہ پہنچے اور حق کی قولی و عملی شہادت ان کے سامنے ادا کی جائے یا نہ کی جائے!

لیکن یہ بہت بڑی بھول ہے جس میں ہم مبتلا ہو گئے ہیں، قرآنِ مجید میں جہاں اُمتِ مسلمہ کا مقصدِ وجود "شہادتِ حق" بیان کیا گیا ہے اور اُمت کو "شہداء" کے منصب پر فائز کیا گیا ہے وہاں تین فریقوں کا ذکر ہے (۱) اللہ کا رسُول، جن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُمت کے سامنے حق کی قولی و عملی شہادت دیں۔ (۲) اُمتِ مسلمہ جس کی ذمہ داری ہے کہ "الناس" یعنی نوعِ انسانی کے سامنے حق کی قولی و عملی شہادت دے (۳) "الناس" — نوعِ انسانی — بالفاظِ دیگر اُمتِ مسلمہ کے باہر کے افراد یعنی غیر مسلم، جن کے سامنے اُمتِ مسلمہ — مسلمانوں — کو اپنے قول و عمل سے حق کی گواہی دینی ہے۔ قرآنِ مجید کے الفاظ یہ ہیں:-

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُہَدَآءَ عَلَی
النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا ــــــ بقرہ ، ۱۴۲

اور اس طرح ہم نے تم کو بہترین اُمّت بنایا تاکہ تم انسانوں پر (حق کے) گواہ بنو اور رسول تم پر (حق کے) گواہ بنیں۔

اور سورۂ حج کے الفاظ یہ ہیں :-

ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ
شَہِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ــــ حج ، ۷۸

اُس نے اِس سے قبل تمہارا نام "مسلم" رکھا ہے اور اِس (قرآن) میں تمہارا نام مسلم ہے تاکہ رسُول تم پر (حق کے) گواہ بنیں اور تم انسانوں پر (حق کے) گواہ بنو۔

حقیقت یہ ہے کہ "شہادتِ حق" کا تعلق اصلاً غیر مسلموں ہی سے ہے اور جب تک ان کے سامنے حق کی شہادت ادا نہ کی جائے اُمّتِ مسلمہ اِس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

اقامتِ دین

ایک اور پہلو سے ـــ اور یہ پہلو دُوسرے پہلوؤں سے کسی طرح کم اہم نہیں ہے ـــ غور کیجئے، ہمارا نصب العین "اقامتِ دین" ہے۔ قرآنِ مجید کی رو سے تمام انبیاء اور اُن کی تشکیل کردہ تمام اُمّتوں کا یہی نصب العین رہا ہے۔

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ
اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا

اَلدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ــــــ شوریٰ ، ۱۳

اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مشروع کیا جس کی وصیت اس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کی وحی (اے نبی!) ہم نے تم پر کی ہے اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیمؑ ، موسیٰؑ اور عیسیٰ کو کی تھی (اس مقصد کے لیے) کہ دین قائم کرو اور اُس میں تفرقہ اختیار نہ کرو۔

اقامتِ دین اپنے جامع مفہوم کے لحاظ سے تین اجزاء پر مشتمل ہے:۔

(۱) دین کی کامل اور مخلصانہ پیروی (۲) دین کی دعوت (۳) دین کو غالب کرنے کی جدّوجہد۔ پہلے جزء کا تعلق ہر مسلمان کی اپنی زندگی ہے ، دُوسرے جزء کے بارے میں یہ واضح ہو چکا کہ اس کے اصل مخاطب غیر مسلم ہیں ، اب آیئے ، اس کے تیسرے جُزء پر غور کریں کہ ہمارے ملک میں اِس جدّوجہد کی کیا شکل ممکن ہے؟

بھارت میں مسلمان بہ مشکل دس کروڑ ہیں گویا وہ کُل آبادی کا چھٹا حصّہ ہیں ، تعداد سے قطع نظر معاشی حالت ، تعلیم ، تنظیم اور سیاسی پہلو سے وہ عظیم اکثریت کے مقابلہ میں خاصے پس ماندہ ہیں ، ان کی حیثیت اس ملک میں فیصلہ کُن نہیں ہے ، یہاں اسلامی انقلاب کی عملی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ غیر مسلم اکثریت کا معتدبہ حصّہ اسلام سے متاثر ہو اور اُسے تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کی سیرت و کردار اور اُن کی صلاحیتوں کے بارے میں حُسنِ ظن ہو ، بظاہر اس ملک میں اسلامی انقلاب کی واحد صورت یہی ہے ، غیر مسلموں کو نظرانداز کر کے تنہا مسلمانوں کے بل پر اسلامی انقلاب کی اس ملک میں کوئی صورت نظر نہیں آتی ، اِس لیے ہم اگر اپنے نصب العین میں مخلص ہیں تو اس کا اوّلین تقاضا یہ ہے

کہ ہم برادرانِ وطن تک دین کی دعوت پہنچانے کی اَن تھک جد و جہد کریں ورنہ بظاہرِ حالات اسلامی انقلاب لانے کا خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

تحریکِ اسلامی بین الانسانی تحریک ہے

ایک اور پہلو سامنے رکھیے، تحریکِ اسلامی جس کے ہم خادم و علم بردار ہیں، اس کے بارے میں آغازِ تحریک سے یہی کہا اور سمجھا گیا کہ وہ مسلمان کی قومی تحریک نہیں بلکہ اسلام کی بین الانسانی اور بین الاقوامی تحریک ہے اور اسلام مسلمانوں کا نہیں، رب العالمین کا دین ہے اور تمام انسانوں کے لیے ہے، اس لیے وہ تحریک، اسلامی تحریک نہیں ہے جو صرف مسلمانوں کی ہدایت و اصلاح یا ان کے مسائل کے حل کے لیے فکرمند ہو۔ اسلامی تحریک وہ اور صرف وہ ہے جس کے پیشِ نظر مسلم، غیر مسلم، سب ہی انسانوں کی ہدایت و اصلاح ہو اور مسلمانوں کے قومی مسائل نہیں، سارے انسانوں کے حقیقی انسانی مسائل اس کے پیشِ نظر ہوں اور وہ ان کی دنیوی کامرانی اور اُخروی فلاح کے لیے جد و جہد میں مصروف ہو (ملاحظہ ہو تحریکِ اسلامی کی بنیادی کتاب "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصّہ سوم" اور "مسئلۂ قومیت")

یہ بات اگر صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے اور کتاب و سنت کے بعد تحریکِ اسلامی کا اوّلین لٹریچر اس کا شاہدِ عدل ہے تو اس تحریک کو مسلمانوں کی قومی تحریک بننے سے بچانے اور اس کا بین الاقوامی اور بین الانسانی کردار بحال رکھنے کی ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن آغازِ تحریک میں اِس حقیقت کی بار بار یاددہانی کے باوجود تحریک اسلامئ ہند کا دائرۂ کار عملاً مسلمانوں

تک محدود ہو کر رہ گیا اور تحریکِ اسلامی کے کارکن مسلمانوں کے مسائل میں اُلجھ کر رہ گئے۔ اسباب کچھ ہوں، حقیقی صورتِ حال یہی ہے، ہمارا تخاطب غیر مسلموں سے برائے نام رہا، ہمارا دائرۂ کار اصلاً اور عملاً مسلم ملّت رہی، ہم مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے شب و روز فکر مند رہے اور غیر مسلموں کے مسائل عملاً نظر انداز ہوتے رہے۔ کیا یہ چیز تحریکِ اسلامی کے لیے سمّ قاتل نہیں ہے اور اگر یہی روش جاری رہی تو کیا تحریکِ اسلامی مسلمانوں کی ایک قومی تحریک نہ بن جائے گی۔

اس صورتِ حال کا مداوا اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں کو بھی اپنا مخاطب بنائیں، ہمارے دائرۂ دعوت اور دائرۂ کار، دونوں میں دونوں ملّتیں۔ مسلم اور غیر مسلم ــــ شامل ہوں، ہم انبیاء علیہم السلام کے اسوہ کی روشنی میں تمام بندگانِ خدا کے لیے "نَاصِحٌ اَمِیْنٌ" ــــ بہی خواہ اور امانت دار ــــ ہوں اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار و مشرکین کی اصلاح اور اُن کی دنیوی و اُخروی کامرانی کے لیے فکر مند رہے اور ان کے غم میں دن رات گھلتے تھے :-

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ ــــ کہف، ۶

تو شاید تم (اے محمدؐ) ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو اگر یہ (کفار و مشرکین) اس بات (حق کی دعوت) پر ایمان نہیں لائے۔

اسی طرح ان کی پیروی میں تحریکِ اسلامی کے کارکن ان کی اصلاح کے

لیے فکرمند اور ان کے بگاڑ پر ملول اور غمگین ہوں۔ صرف اِس صورت میں ہم تحریکِ اسلامی کا اصولی اور بین الانسانی کردار بحال کر سکتے اور انبیاء علیہم السلام اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین بن سکتے ہیں —— یہاں گفتگو تحریکِ اسلامی سے وابستہ افراد کے عملی رویّے کے بارے میں ہو رہی ہے ورنہ جہاں تک جماعتِ اسلامی ہند کی "چہار سالہ پالیسی اور پروگرام" کا تعلق ہے، کئی میقاتوں سے اُس میں مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ غیر مسلموں میں دعوت اور مسلمانوں کے مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے مسائل کو بھی واجبی اہمیت دی گئی ہے۔

تحریکِ اسلامی کا مفاد

یہ صرف تحریک کی اُصولی اور بین الانسانی حیثیت کو برقرار رکھنے ہی کا سوال نہیں ہے بلکہ تحریک کے مفاد کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کوئی اجتماعی تحریک، جسے مسلمانوں تک محدود رکھا جائے، غیر مسلموں میں شکوک و شبہات کے جنم لینے کا ذریعہ بنے گی اور نتیجۃً فرقہ وارانہ رنگ اختیار کرنے یا فرقہ واریت کا لیبل لگنے سے بچ نہ سکے گی بالخصوص جبکہ یہ تحریک اپنے آپ کو صرف "مذہبی امور" تک محدود نہ رکھے، اجتماعی امور میں بھی دخل دے اور مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے تگ و دو بھی کرے۔ اِس صورت میں غیر مسلموں میں آپ کی جماعت اور آپ کی تحریک سے بُعد پیدا ہونا ایک فطری بات ہوگی اور ہندوستان کی موجودہ فضا اِس بُعد کو بہت آسانی سے بدگمانیوں، تلخیوں اور نفرتوں میں تبدیل کر دے گی اور غیر مسلم تحریکِ اسلامی کی مخالفت اور مزاحمت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ لیکن اگر آپ کلمۂ حق کو غیر مسلموں تک پہنچانے کی جدوجہد کریں اور اپنے قول و عمل

اور اپنے حُسنِ عمل اور حُسنِ سلوک سے اُن پر یہ واضح کرسکیں کہ آپ ان کے لیڈروں سے زیادہ اُن کے بہی خواہ اور اُن کی دنیوی کامرانی اور اُخروی نجات کے لیے دل سوزی سے فکر مند ہیں اور آپ کے رویّہ سے اُن پر یہ حقیقت بغیر کسی اشتباہ کے منکشف ہو جائے کہ اسلامی تحریک مسلمانوں کی قومی تحریک نہیں ہے اور نہ اُس کے سامنے صرف مسلمانوں کے مسائل ہیں، بلکہ وہ ایک اُصولی اور انسانی تحریک ہے جس کے سامنے ملک کے تمام انسانوں کی دنیوی و اُخروی فلاح ہے تو آپ شکوک و شبہات کی فضا کو بہت بڑی حد تک ختم کرسکیں گے اور غیر مسلموں کے سنجیدہ طبقہ کے ایک معتد بہ حصّہ کا حُسنِ ظن اور اعتماد حاصل کرسکیں گے جو تحریکِ اسلامی کے لیے بہت کچھ سُود مند اور اس کی تقویت کا موجب ہوگا۔

ملّی مسائل

حقیقت یہ ہے کہ تحریکِ اسلامی کی اُصولی اور بین الانسانی حیثیت کو ذہناً تسلیم کرنے کے باوجود، آزادیٔ ہند کے بعد کے شدید اور نازک حالات میں مسلمانوں کے پیچیدہ مسائل نے ہمارے ذہن، ہمارے اوقات، ہماری صلاحیتوں اور ہمارے ذرائع و وسائل کو اس طرح اُلجھائے رکھا کہ ہم غیر مسلموں کے لیے اُن کا کوئی قابلِ ذکر حصّہ فارغ نہ کرسکے لیکن اِس اُلجھاؤ کے باوجود مسلمانوں کے مسائل حل نہ ہوسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے مسائل خواہ وقتی طور پر کچھ حل ہو جائیں، ان کا مستقل حل آسان نہیں ہے، ان مسائل کی جڑیں بہت گہری ہیں، یہ کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے جسے کوئی حکومت یا سیاسی پارٹی حل کرسکے۔ یہ خالص

سماجی مسئلہ ہے، مسلمانوں کے مسائل ان کی اپنی کمزوریوں کے علاوہ ہندو مسلم کشمکش کی پیداوار ہیں اور اس کشمکش کی تاریخ ہزار سال پُرانی ہے۔ مسلمانوں کا غیر اسلامی کردار، ان کی غیر اسلامی اور ملوکیت پر مبنی حکومتیں، غیر مسلموں کو اسلام سے متعارف کرانے سے اُن کی مجرمانہ غفلت اور غیر مسلموں کے انسانی و اسلامی حقوق کی ادائیگی میں اُن کی جانب سے مسلسل کوتاہی، یہ ہیں وہ امور جنہوں نے اِس کشمکش کو جنم دیا، پھر انگریزوں نے اپنے مقاصد کے لئے "لڑاؤ اور حکومت کرو" (DIVIDE AND RULE) کی پالیسی کے تحت مختلف طریقوں سے اِس کشمکش کو بہت زیادہ بڑھاوا دیا۔ دورِ غلامی کی ہندو مسلم سیاسی کشمکش سے اِس میں اور اضافہ ہوا، تقسیمِ ہند اور دونوں قوموں کی ہندوستان اور پاکستان سے منتقلی اور ہولناک اور وسیع فسادات نے اس کشمکش کو خطرناک حد تک زہریلا بنا دیا اور فرقہ پرست عناصر نے اپنے پست مقاصد کے تحت اِسے بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر ہندو ذہن میں گھول دیا اور اس طرح مسلمانوں کی ماضی و حال کی تصویر کو بُری طرح مسخ کر کے اُسے خطرناک حد تک بھیانک بنا دیا۔

یہ ہے ملّی مسائل کی اصل بنیاد! اس صورتِ حال کا علاج کیا یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے مسائل ہاتھ میں لے کر اور اُس کے لیے اربابِ اقتدار اور غیر مسلم عوام سے کشمکش کر کے معاملہ کو اور اُلجھا دیں یا یہ ہے کہ ان مسائل میں زیادہ اُلجھنے کے بجائے دینِ حق کے داعی بن کر اُٹھیں، مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ اصلاح کرنے کے ساتھ غیر مسلموں کے سامنے اپنے قول و عمل سے حق کی

بہترین شہادت دیں اور غیر مسلم عوام و خواص کی اُن تمام غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو دور کریں جو مسلمانوں کے غلط کردار، اسلام کے عدمِ مطالعہ اور انگریزوں اور فرقہ پرستوں کے جھوٹے پروپیگنڈے سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پیدا ہوگئی ہیں اور محض اپنے مسائل کے حل میں منہمک ہونے کے بجائے اُن مسائل کے حل کے لیے فکر مند ہوں جو سب اہلِ ملک کو پریشان کیے ہوئے ہیں اور اسلام کی روشنی میں اُن کا صحیح اور موزوں حل برادرانِ وطن کے سامنے پیش کریں، صرف اسی طرح نفرت، بدگمانیوں اور تلخیوں کی فضا ختم ہوگی، برادرانِ وطن اسلام اور اسلامی کردار سے متاثر ہوں گے اور اس کے نتیجہ میں ہند و مسلم تعلقات بہتر ہوں گے اور مسلمانوں کے مسائل یکے بعد دیگرے حل ہو سکیں گے ــــ برادرانِ وطن میں حق کی دعوت ہی سے مسلمانوں کے مسائل کے حل ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے، اس کے بغیر وہ حل ہونے کے بجائے مزید اُلجھتے چلے جائیں گے۔

ملکی مسائل

جس طرح ملّت کے مسائل ہمارے مسائل ہیں، اسی طرح ملک کے مسائل بھی ہمارے ہی مسائل ہیں، ہم سب ایک ہی جہاز میں سوار ہیں، یہ جہاز کامیابی سے پار اُترے گا تو ہم سب نجات پائیں گے اور یہ جہاز خدا نخواستہ غرق ہو جائے گا تو ہم سب غرق ہو جائیں گے، ہم ملک کے مسائل سے کسی طرح صرفِ نظر نہیں کر سکتے، یہ ہماری زندگی و موت کا مسئلہ ہے۔ پھر ایک ایسی تحریک جو مسلمانوں کی قومی تحریک ہونے کے بجائے اُصولی اور بین الانسانی تحریک ہے، اپنے ملک کے باشندوں

کے مسائل سے کس طرح صَرفِ نظر کر سکتی ہے اُن کے مسائل اُس تحریک کے اپنے مسائل ہیں اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے فکر مند ہونا اس کی دعوت کا فطری تقاضا ہے۔

اسی کے ساتھ علم و بصیرت کی بنیاد پر ہم یقین رکھتے ہیں کہ ملک کے تمام پیچیدہ مسائل کا حل اسلام اور صرف اسلام میں ہے، اللہ کے بھیجے ہوئے نظامِ زندگی کے سوا کوئی دُوسرا نظام انسانوں کے مسائل حل ہی نہیں کر سکتا۔ انسان کے پاس وہ علم و دانش ہی نہیں جس سے وہ سب انسانوں کے مسائل کا حل تجویز کر سکے، نہ وہ ظرف ہے جس سے یہ توقع لگائی جا سکے کہ وہ سب انسانوں کے مسائل کو یکساں اہمیت دے گا اور سب کے ساتھ یکساں انصاف کر سکے گا، آج تک انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی انسان یا انسانوں کا گروہ نہیں پایا گیا جو کامل علم و دانش رکھتا ہو یا سب انسانوں کے لیے یکساں سوچ سکتا اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کر سکتا ہو، یہ خُدا ہی ہے جس کا علم کامل، جس کی دانش بے خطا اور جو انسانی فطرت اور نوعِ انسانی کے عروج و زوال اور اس کی دُنیوی و اُخروی کامرانی اور دُنیوی و اُخروی ناکامی کی راہوں سے کماحقہٗ آگاہ ہے جو سب انسانوں کا خالق، پروردگار، مالک، معبود اور حاکم و فرمانروا ہے، جس کی ذات ظلم کے ہر شائبہ سے پاک ہے اور جس نے اپنا دین صرف اس لیے نہیں بھیجا کہ انسان اس کے ذریعہ اُس کا قرب اور اور اُس کی رضا حاصل کر سکے اور جنّت کی ابدی و لازوال نعمتوں سے ہم کنار ہو سکے بلکہ اس دین کے آنے کا منشا یہ بھی ہے کہ انسانوں کو عدل و قسط اور امن و

سلامتی کی نعمتیں ملیں ۔ قرآن مجید میں ہے :۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ
لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ —— حدید ، ۲۵

بیشک ہم نے اپنے رسول کھلے دلائل و معجزات کے ساتھ بھیجے اور اُن کے ساتھ اپنی کتاب اُتاری یعنی میزانِ عدل تاکہ انسان انصاف قائم کریں

معلوم ہوا کہ انبیاء و رُسل کی بعثت اور کُتبِ الٰہی کے نزول کا بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ دُنیا میں عدل و قسط قائم ہو اور سب انسانوں کے مسائل منصفانہ طور پر حل ہوں ، یہی نہیں قرآن مجید سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کا دنیا میں مقام یہ ہے کہ وہ " قوّام بالقسط "— عدل و انصاف کو قائم کرنے والی ہے :۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ
لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ
یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤی
اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝ —— نساء ، ۱۳۵

اے ایمان لانے والو ! انصاف کے قائم کرنے والے اور اللہ کے لیے (حق کی) گواہی دینے والے بنو اگرچہ اس کی زد تمہاری اپنی ذات، اپنے والدین اور رشتہ داروں پر پڑتی ہو، فریقِ معاملہ خواہ

مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے روگردانی نہ کرو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اُس کی خبر ہے۔

لیکن ہمارے ملک میں عدل و قسط جبھی قائم ہو سکے گا اور اسلام کی روشنی میں ملک کے مسائل کو حل کرنے کے امکانات اُسی وقت پیدا ہو سکیں گے جب ہم بڑے پیمانے پر برادرانِ وطن کو اسلام کا تعارف کرائیں اور انہیں مطمئن کر دیں کہ اسلام نہ صرف یہ کہ تقربِ الٰہی اور نجاتِ اُخروی کا ضامن ہے بلکہ ملک اور عالمِ انسانی کے پیچیدہ مسائل کا حل اور عدل و قسط کا قیام بھی اُسی کے ذریعہ ممکن ہے۔

موانع و مشکلات

آیئے، اب اس راہ کے حقیقی یا موہوم موانع و مشکلات پر بھی ایک نظر ڈالیں۔

عدمِ روابط

ایک بڑا — سب سے بڑا مانع یہ بتایا یا محسوس کیا جاتا ہے کہ برادرانِ وطن سے ہمارے روابط نہیں ہیں، اور روابط نہیں ہیں تو دعوت کا کام کس طرح انجام دیا جا سکتا ہے۔ یہ عذر کبھی زبانوں پر آجاتا ہے اور زبانوں پر نہ بھی آئے تو دل و دماغ پر ضرور چھایا رہتا ہے لیکن کسی تحریک کے علم بردار کے لیے یہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ سے کم نہیں، تحریک کے علم بردار روابط نہ ہونے کا بہانہ ڈھونڈھ کر گھر نہیں بیٹھ رہتے، وہ اپنے یقین سے مجبور

ہوکر اپنی تحریک کے مفاد اور اپنے پروگرام کے رو بہ عمل لانے کے لیے زیادہ سے زیادہ انسانوں ـــ اَن جانے انسانوں ـــ تک پہنچتے ہیں اور اُن سے زیادہ سے زیادہ روابط بڑھاتے ہیں، اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یقین کرلینا چاہیے کہ وہ کسی تحریک کے علم بردار نہیں، کسی جامد نظریہ و مسلک کے رسمی اور بے جان پیرو ہیں۔

لیکن روابط کے نہ ہونے کی بات حقیقتہً صحیح نہیں ہے۔ دنیوی امور و معاملات کی انجام دہی کے سلسلے میں ہم برادرانِ وطن سے روابط رکھنے پر مجبور ہیں، ان روابط کو وسیع بھی کیا جا سکتا ہے اور گہرا اور قریبی بھی۔ ایمرجنسی سے پہلے بھی جماعت کے مختلف پروگراموں کے ذریعہ غیر مسلموں سے ہمارے روابط میں خاصا اضافہ ہوا تھا، جماعت پر پابندی لگنے کے بعد جماعت کا چرچا غیر مسلموں میں عام ہوا، اخبار پڑھنے اور ریڈیو سننے والے ہر غیر مسلم کے لیے جماعت اسلامی ایک سوالیہ نشان بن گئی، ایمرجنسی کے دوران پورے ہندوستان میں ہزارہا غیر مسلموں سے جیل کے اندر اور جیل کے باہر روابط قائم ہوئے، یہی نہیں، بہت سے غیر مسلم جماعت کے کارکنوں کے اسلامی کردار، اُن کے حُسنِ سلوک اور ان کی دعوتی مساعی سے متاثر ہوئے اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ تھوڑی سی کوشش سے جماعتِ اسلامی کے اجتماعات میں غیر مسلم بڑی تعداد میں آتے، جماعت کی دعوت سے متاثر ہوتے اور جماعت کے کاموں کے لیے اپنا تعاون تک پیش کرتے ہیں۔ کیا روابط اس کے علاوہ کسی اور شے کا نام ہے؟ پھر جماعت کی پالیسی اور پروگرام میں بہت سے ایسے کام بتائے

گئے ہیں۔ جن کو اگر کیا جائے تو غیر مسلموں سے روابط زیادہ قریبی، زیادہ وسیع اور زیادہ مستحکم ہو سکتے ہیں ــــ یہ ہے حقیقی صورتِ حال! اگر ہم اب بھی روابط کے نہ ہونے کا رونا روتے ہیں تو یہ صرف ہماری کوتاہی اور بے عملی ہے ورنہ اتنے اچھے روابط اور مواقع کبھی بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

دعوت بے نتیجہ ہے

دُوسرا بہت بڑا مانع یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس کام کو عبث اور بے فائدہ خیال کرتے ہیں، اُن کے نزدیک اِس کام کا کوئی فائدہ نہیں ہے، ایک بے نتیجہ اور بے فائدہ کام کو آخر آدمی کیوں کرے؟

لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اس نتیجہ پر کس طرح پہنچے؟ کیا ہم نے برادرانِ وطن میں سالہا سال کام کیا اور اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا یا دعوتی جدّوجہد کے بغیر ہم نے گھر بیٹھے ایک نتیجہ نکال لیا ہے؟ بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ بات دُوسری ہے، ہم دعوتی جدّوجہد ــــ مسلسل دعوتی جدّوجہد کے بغیر اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ یہ ایک لاحاصل کام ہے۔ لیکن عقلی، دینی، اخلاقی، عملی، کسی پہلو سے بھی کام کیے بغیر اِس طرح کا نتیجہ اخذ کر لینا اور اُس کی بنیاد پر ایک فریضہ بلکہ مقصدِ حیات سے دست بردار ہو جانا کسی طرح بھی صحیح ہے؟

مان لیجئے کہ برادرانِ وطن کو مسلسل دعوتِ حق پہنچانے کے باوجود کوئی شخص بھی اس سے متاثر نہیں ہوتا تو کیا ہم ناکامی سے دوچار ہوئے اور ہماری جدوجہد بے نتیجہ رہی؟ نہیں، ہرگز نہیں، ہمارا کام اپنی ذمہ داری کو کما حقہٗ انجام دینا ہے اور بس! اگر ہم نے اپنے فرض کو ادا کر دیا تو ہم

کامیاب و بامُراد ہوئے اور اللہ کی رضا اور فلاحِ اُخروی کے مستحق ہو گئے۔۔۔ اس سے بڑے اور کس نتیجہ کی ہم توقع لگاتے ہیں؟۔۔ جن لوگوں نے اس پیغام کو ٹھکرا دیا، وہ اللہ کے یہاں ماخوذ اور معتوب ہوں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:۔

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (رعد، ۴۰)

(اے نبی!) تم پر صرف دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ہے اور (اُن کا) حساب ہمارے ذمہ ہے۔

یعنی تم اپنا کام کیے جاؤ، انجام کو خدا کے حوالے کر دو، منکرینِ حق کے حساب کے لیے وہ کافی ہے، تمام امور کا فیصلہ اور انجام اسی کے ہاتھ میں ہے:

وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ (حج، ۴۱)

اور اللہ ہی کے لیے معاملات کا انجام ہے۔

ہم تو ہم افضل الانبیاء کے بس میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ جس کو چاہتے اسے ہدایت مل جاتی، ہدایت تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے محروم رکھتا ہے، قرآنِ مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا:۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ

(قصص، ۵۶)

یقیناً تم جسے چاہو اُسے ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ جسے چاہتا ہے اُسے ہدایت دیتا ہے۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری کوششوں اور دُعاؤں کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کے سرپرست، آپ کے انتہائی شفیق چچا ابوطالب ایمان نہیں لائے، انھوں نے آخری وقت میں بھی آپ کی درخواست کو نظر انداز کر دیا اور باپ دادا کے دین پر دُنیا سے رُخصت ہوئے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک شب و روز دعوتِ حق کی جدّو جہد جاری رکھی مگر چند نفوس کو چھوڑ کر، جو آپ کی دعوت پر ایمان لے آئے، پُوری قوم نے آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور نتیجۃً پوری قوم طوفان میں غرق کر دی گئی۔ حضرت نوحؑ کی زبانی ان کی دعوت کی روداد سُنیے:۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ۝ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ....

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝

—— نوح، ۵ تا ۷، ۲۱، ۲۲

نوحؑ نے کہا، اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو شب و روز دعوت دی تو میری دعوت کا نتیجہ اِس کے سوا کچھ نہ نکلا کہ وہ مجھ سے اور زیادہ دُور بھاگنے لگے اور میں نے جب بھی انھیں دعوت دی تاکہ

وہ تیری مغفرت کے مستحق ہوں انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں، کپڑے اوڑھ لیے، (غلط روی پر) اصرار کیا اور بڑی سرکشی کا مظاہرہ کیا..... نوحؑ نے کہا، میرے رب! بیشک انہوں نے میری بات نہ مانی اور ان لوگوں کی پیروی کی جن کے مال و اولاد سے انہیں خسارہ ہی پہنچ سکتا ہے اور انہوں نے (حق کے خلاف) بڑی بڑی سازشیں کیں اور چالیں چلیں۔

قوم کی اس سرکشی اور ان کی دعوت کی اس ظاہرا لاحاصلی کے باوجود حضرت نوحؑ دعوتِ حق کے کام سے نہ مایوس و بددل ہوئے، نہ اُسے ایک لمحہ کے لیے چھوڑنے کو تیار ہوئے بلکہ ساڑھے نو سو سال تک مسلسل یہ کام کرتے رہے۔

دعوت بے نتیجہ نہیں

پھر سوال یہ ہے کہ برادرانِ وطن میں دعوتی کام سے ہم کن نتائج کی توقع رکھتے ہیں؟ کیا بدگمانیوں، تلخیوں اور ہندو مسلم کشمکش کی موجودہ فضا میں یہ نتیجہ کم اہمیت کا حامل ہے کہ غیر مسلم اسلام کی دعوت کو صبر و سکون کے ساتھ سننے اور اس پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہیں اور خالص اسلامی اجتماعات میں بڑی تعداد میں دعوتِ حق کو سننے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں۔ کیا مکّہ کے دعوتی دور کے شدید حالات کے مقابلہ میں یہ صورتِ حال کہیں زیادہ بہتر نہیں ہے، مشرکینِ مکّہ کا رویہ تو یہ تھا:-

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝

—— حٰم سجدہ، ۲۶

اور کفار نے کہا ، اس قرآن کو نہ سنو اور اُس میں (جب وہ سُنایا جائے)
شور مچا کر گڑبڑ کرو، اس طرح اُمّید ہے کہ تم غالب آجاؤ گے ۔

وہ دعوتِ حق کا استقبال استہزاء ، سب وشتم ، طعن و تشنیع اور پتھروں اور تلواروں سے کرتے تھے اور اسلام کا نام لینے والوں اور اس کی دعوت دینے والوں پر لرزہ خیز مظالم ڈھاتے تھے ، کیا یہ صورتِ حال ہمارے لیے ہمّت افزا نہیں ہے کہ خود غیر مسلم اسلام اور قرآن کے مطالعہ کے لیے بے چین نظر آتے ہیں اور آ آکر ہم سے قرآنِ کریم کے ترجمے ، سیرتِ رسُول اور اسلامی لٹریچر کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ اسلام کی دعوت کو سراہنے ، اسلامی تعلیمات سے متاثر ہونے اور ہم سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں ۔ کیا یہ نتیجہ کچھ کم اُمید افزا ہے کہ سینکڑوں سال کی غلط فہمیوں ، بدگمانیوں اور دشمنیوں کا غلیظ پردہ چاک ہو جائے اور اسلام ، تحریکِ اسلامی اور اسلام کے حامل افراد کے ساتھ حسنِ ظن اور اعتماد کی فضا پیدا ہو جائے ۔ میرا خیال ہے کہ اگر اس نسل میں یہی ایک بات پیدا ہو جائے اور ایک شخص بھی قبولِ حق کے لیے آمادہ نہ ہو تب بھی یہ کم حوصلہ افزا نتیجہ نہیں ہے ، اسی فضا سے انشاء اللہ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کا منظر سامنے آئے گا ، جب فصل اُگی ہے ، جب پودے برگ و بار لائے ہیں ، جب پھُول کھلے ہیں تو اگلا مرحلہ پیداوار کے حاصل ہونے اور فصل کے کٹنے ہی کا ہے ۔

آپ فرمائیں گے ، یہ سب بجا و درست ، مگر یہ تو بتاؤ کہ قبولِ حق کے پہلو سے نتائج کا کیا حال ہے ، میں عرض کروں گا ، کہ داعیٔ حق کو نتائج کی

پروا کیے بغیر اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے، حقیقت یہ ہے ـــــ اور یہ حقیقت ہر وقت ہماری نگاہوں کے سامنے رہنا چاہیے ـــــ کہ ہدایت بخشنا ہمارے بس میں نہیں ہے، ہدایت تو خدا کی توفیق اور مخاطب کے اپنے ارادے پر موقوف ہے، جو چیز اپنے بس میں نہیں ہے، اسے بطور شرط کے پیش کرنا، نہ عقل کی بات ہے، نہ دین کی، نہ یہ روش کبھی عملی انسان کی ہوتی ہے۔

اس اُصولی بات سے قطع نظر کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ آپ جونہی کسی شخص کے سامنے حق کی دعوت پیش کریں گے، وہ اپنے نظریات و افکار، اپنے دین، اپنی روایات، اپنے ماضی، اپنی قوم، اپنے مفادات، ہر چیز کو چھوڑ کر فوراً حق کی دعوت قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا، مستثنیٰ افراد کو چھوڑ کر عام انسان ایسا کبھی نہیں کرتے۔ لوگوں کو باطل نظریات و افکار، مشرکانہ ادیان، ملحدانہ فلسفوں اور دُنیا پرستانہ رجحانات سے چھٹکارا دلانے کے لیے طویل دعوتی جدّ و جہد کی ضرورت ہوتی ہے جس کی ابتدا بسا اوقات شدید مخالفتوں اور مزاحمتوں سے ہوتی ہے، عمرؓ جیسا اسلام کا عظیم ہیرو کئی سال کی دعوتی جدّ و جہد کے بعد مسلمانوں کو ملا تھا اور اسلام لانے سے پہلے اس مردِ جلیل نے اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں کی اذیت رسانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

اور یہ کچھ اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، کوئی نظریہ اور کوئی تحریک ہو، اُسے اپنانے اور سابق نظریات و افکار کو چھوڑنے میں بالعموم ایک طویل مدّت لگتی ہے اور یہ تبدیلی طویل دعوتی جدّ و جہد اور صبر آزما مخالفتوں کے ہجوم میں آتی ہے۔ شرک، الحاد اور دنیا پرستی کے موجودہ ہوش رُبا دَور میں دُوسرے نظریات کے مقابلہ میں اسلام کی دعوت اور وہ بھی خالص اسلام کی جامع و کامل دعوت کو قبول کرنا جبکہ عامۃ المسلمین کی زندگیاں اسلام

ے کوسوں دُور ہوں، سب سے زیادہ مشکل کام ہے کیونکہ یہ دعوت شرک، الحاد، مادہ پرستی، خواہش پرستی، ہر چیز کی ضد ہے اور اسے قبول کرنے کے نتیجہ میں انسان کو اپنا سب کچھ تبدیل کرنا اور عظیم قربانیاں دینی ہوتی ہیں اور وہ بھی دنیا کے کسی نقد فائدہ کے بجائے صرف اجرِ آخرت کے لیے!

اِسی حقیقت کے باوجود کہ حق کو قبول کرنا سخت دشوار کام ہے، سوال یہ ہے کہ اب تک کا تجربہ کیا ہے؟ کیا یہی کہ غیر مسلموں نے اسلام کی دعوت کو ہمیشہ بہرے کانوں سے سُنا ہے اور حق کی دعوت کو پوری حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا ہے یا یہ ہے کہ مخالفتوں اور مزاحمتوں کے ہجوم میں خلقِ خدا نے اُس کا خیر مقدم بھی کیا ہے اور اُسے قبول کرکے اس کی راہ میں ہر طرح کی مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ تاریخ دُوسری صورت میں جواب دیتی ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس ساتھیوں کی دعوتی مساعی اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدّ و جہد کے نتیجہ میں بالآخر پُورا عرب مسلمان ہو جاتا ہے، پھر خلافتِ راشدہ کے دَور میں اسلام کی دعوت عرب کے باہر کے ممالک کا رُخ کرتی ہے اور پچیس تیس سال کے عرصہ میں شام، عراق، ایران، افغانستان، روم اور مصر میں اسلام بڑے پیمانے پر پھیل جاتا ہے اور مراکش، تیونس، حبشہ، لیبیا اور الجزائر جیسے ملکوں میں بھی اسلام قبولیتِ عام کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پھر ہندوستان، لنکا، انڈونیشیا، ملیشیا، چین، روس اور اسپین وغیرہ ایشیا اور یُورپ کے بہت سے ملکوں میں اسلام تیزی سے پھیل جاتا ہے، یہ سب کچھ صحابۂ کرام، تابعین، تبعِ تابعین، عرب تجار، علمائے حق اور صوفیائے کرام کی دعوتی مساعی

ہی کا ثمرہ تھا، دُنیا میں تقریباً ایک ارب مُسلمانوں کا وجود اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ اسلام کی دعوت میں غیر معمولی کشش اور مقبولیت کا غیرمعمولی سامان موجود ہے۔

آپ کہیں گے، یہ گزشتہ دوَر کی بات ہے، آج مسلمانوں کی بے عملی بلکہ بدعملی کے نتیجہ میں دعوتِ اسلامی اپنا اثر و نفوذ کھوچکی ہے۔ لیکن یہ بات آپ نے کسی سروے کی بنیاد پر کہی ہے یا اس طرح کی رپورٹ آپ کو ان لوگوں نے دی ہے جو دعوتِ حق کا کام کررہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ تاثر کسی طرح صحیح نہیں ہے، ہماری معلومات اس کے بالکل برعکس ہیں۔ اسلام کی دعوت کا کام اگرچہ منظم اور وسیع پیمانے پر اب بھی نہیں ہورہا ہے، مگر افریقہ میں اسلام بہت تیزی سے پھیل رہا ہے اور پُورے کے پُورے ملک مسلمان ہورہے ہیں اور ایک مسیحی مشنری کا اندازہ تو یہ ہے کہ پچیس سال کے عرصہ میں اسلام افریقہ پر چھا جائے گا۔ امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک میں بھی اسلامی دعوت کا کام اگرچہ حال ہی میں شروع ہوا ہے اور بہت ہی مختصر پیمانے پر ہے مگر نتائج بہت حوصلہ افزا ہیں۔ جاپان جیسے ملکوں میں بھی اسلام کے قدم جم رہے ہیں۔

آپ فرمائیں گے کہ دُوسرے ممالک کی حد تک تو تمہاری بات صحیح ہے لیکن ہندوستان کی دُنیا نرالی ہے، یہاں دعوتِ حق کی کامیابی کے امکانات دُور دُور تک نہیں ہیں، یہاں کی زمین سنگلاخ ہے اور مخصوص سیاسی حالات نے سنگلاخی کو اور بڑھا دیا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ آپ کے اس دعوے

کے پیچھے دلائل و شواہد کیا ہیں یا یہ آپ کا محض ایک ذہنی مفروضہ ہے۔ جہاں تک حالات وواقعات کا تعلق ہے، وہ آپ کے خیال کی مکمل تردید کرتے ہیں، ہندوستان کی زمین سنگلاخ نہیں، بہت نرم اور زرخیز ہے، کاشتکار اگر زمین چھوڑ کر گھر بیٹھ رہے تو اس میں قصور زمین کا نہیں، کاشتکار کا ہے، یہ برصغیر جو بنگلہ دیش، بھارت اور پاکستان پر مشتمل ہے اور جو پہلے ایک ہی ملک تھا، اس کی کل آبادی تقریباً پچھتر کروڑ ہے۔ جس میں لگ بھگ پچیس کروڑ مسلمان ہیں، گویا ہر تین میں ایک آدمی مسلمان ہے۔ کیا یہ سب باہر سے آئے ہوئے ہیں؟ نہیں، ان کی عظیم اکثریت مقامی ہے۔ جو دعوت و تبلیغ کے نتیجہ میں مسلمان ہوئی ہے اور جو لوگ بیرونی ممالک سے آئے ہیں وہ بھی آسمان سے نہیں اترے تھے، وہ بھی دعوتی جد وجہد کے نتیجہ میں اسلام کی آغوش میں آئے تھے، برصغیر کی اس مسلم آبادی نے اسلام کو بہت سے داعی، مفکر، عالم، مصنف، محدث، مفسر، فقیہ، مجدد اور تحریک اسلامی کے علم بردار دیے ہیں۔ جو عالم اسلام کے چوٹی کے افراد میں شمار کیے جا سکتے ہیں، گویا کمیت اور کیفیت، ہر لحاظ سے یہ سرزمین بہت زرخیز ثابت ہوئی ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ اسلام کی دعوت کا کام اس ملک میں عرصۂ دراز سے بند ہے اور عامۃ المسلمین کی زندگیاں غیر مسلموں کو اسلام سے دور پھینکنے والی ہیں، اگر مسلمانانِ ہند کی زندگیاں اسلام کا عملی نمونہ ہوتیں اور اسلام کی دعوت کا کام حکمت، منصوبہ بندی، تنظیم اور سرگرمی کے ساتھ جاری ہوتا تو ہندوستان اسلام کا عظیم الشان گہوارہ ہوتا!

آج کا ہندوستان مختلف ہے

آپ فرما سکتے ہیں کہ یہ سب گزشتہ دور کی بات ہے، تقسیم ملک کے بعد کے حالات پہلے کے حالات سے بالکل مختلف ہیں، آج یہاں تعصبات کی غیر معمولی دیواریں حق کی راہ میں حائل ہیں، یہاں غیر مسلموں میں دعوتِ اسلامی کی کامیابی کے امکانات اب صفر کے برابر ہیں۔

مجھے اس سے ذرا بھی اختلاف نہیں ہے کہ آج کا ہندوستان گزشتہ ادوار کے ہندوستان سے بہت کچھ مختلف ہے۔ جس وقت یہاں عرب تاجر، علمائے حق اور صوفیائے کرام اسلام کا پیغام لے کر آئے تھے، ملک میں اسلام کا نام و نشان نہ تھا، ہر طرف شرک، بت پرستی اور کفر کا تسلط تھا، شدید جہالت کا دَور دَورہ تھا، مذہبی تعصبات عروج پر تھے، چھوت چھات اور اُونچ نیچ کا انتہائی زور تھا، مسلمانوں کا شمار ملیچھوں میں ہوتا تھا، اہلِ ملک کو اپنے فلسفہ، ریاضی، طِب، ویدانت اور دھرم پر ناز تھا، زبان، لباس اور تمدّن کی اجنبیت اس پر مستزاد تھی۔ بعد میں مسلمان حکمرانوں کے غیر اسلامی طرزِ عمل نے اس صورتِ حال کو اور زیادہ سنگین بنا دیا، ان شدید حالات کے باوجود اسلام کی دعوت اس ملک میں برگ و بار لائی اور کروڑوں افراد اسلام کے آغوش میں آگئے۔ چنانچہ برصغیر میں ہر تین میں ایک آدمی اور بھارت میں ہر چھ میں ایک آدمی مسلمان ہے۔

آج حالات پہلے سے بہت کچھ مختلف ہیں، جہالت، چھوت چھات اور مذہبی تعصبات میں پہلے کے مقابلہ میں خاصی کمی آگئی ہے، آج کے تعلیم یافتہ

غیر مسلم اپنی روایات ، اور اپنی میتھالوجی کے بارے میں بے اطمینانی کا شکار ہیں ۔ موجودہ علمی و عقلی ارتقا اور سیاسی ، سماجی اور معاشی مسائل نے انھیں مجبور کر دیا ہے کہ وہ نئی راہیں تلاش کریں ، انھیں اس بات پر یقین نہیں رہا ہے کہ وہ اپنی روایات اور سمرتیوں میں بیان کردہ قوانین کے ذریعہ آج کی انسانیت کے ، یا کم از کم بھارت کے پیچیدہ مسائل کو حل کر سکتے اور اہلِ ملک کو کوئی معقول ، منصفانہ ، ارتقا کا ضامن اور قابلِ عمل نظام دے سکتے ہیں۔ آج کے علمی و عقلی دور میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی ہے ، نہ کوئی سنجیدہ آدمی مشرکانہ خرافات کو باور کر سکتا ہے ، ان حالات میں اگر ہم برادرانِ وطن کے سیاسی حریف بننے کے بجائے ان کے بہی خواہ اور اُن کے رہنما بن کر سامنے آئیں تو آج دعوتِ حق کی قبولیت کے امکانات پہلے سے بہت زیادہ ہیں ۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک نظری و خیالی بات ہے ، عملی حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ، لیکن میں واقعات کی روشنی میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ آپ خیالی دُنیا میں رہ رہے ہیں ، آج بھی ہر سال ہزارہا ہزار افراد اسلام کی آغوش میں آ رہے ہیں اور اسلام قبول کرنے کا یہ سلسلہ کسی دعوتی جد و جہد کے بغیر شمال سے جنوب تک آپ سے آپ جاری ہے ۔ اسلام کی دعوت پیش کرنے کی جو ٹوٹی پھوٹی اور مختصر سی کوشش حال ہی میں ملک میں ہوئی ہے ، قبولیتِ حق کے پہلو سے بھی اس کے نتائج بہت حوصلہ افزا ہیں ۔

پھر کیا یہ بات ہمارے سوچنے کی نہیں ہے کہ تیس سال کی طویل اور مسلسل دعوتی جدّو جہد کے باوجود بہت کم افراد، جماعتِ اسلامی ہند کے رُکن بن سکے ہیں، اگر تعداد کی یہ کمی ہماری ہمت شکنی کی موجب نہیں بن بنتی تو دعوتِ حق قبول کرنے والوں کی کمی ہماری ہمت شکنی کی موجب کیوں بنتی ہے، جبکہ مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلموں میں ہمارا کام صفر کے قریب ہے اور کسی غیر مسلم کا دعوتِ حق کو قبول کر لینا کسی مسلمان کے رکنِ جماعت بننے سے زیادہ دشوار اور صبر آزما کام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اسلام کی دعوت کو صبر و حکمت کے ساتھ مسلسل پیش کیا جاتا رہا تو دس مخاطبین میں سے ایک یا دو افراد کو اللہ تعالیٰ قبولیتِ حق کی سعادت عطا فرمائے گا اور بقیہ افراد، جو اقدام کی ہمت نہ کر سکیں گے وہ بھی مسلمانوں سے قریب ہوں گے، اسلام سے انہیں حسنِ ظن ہو جائے گا اور وہ امورِ خیر میں تحریکِ اسلامی کے ساتھ تعاون کر سکیں گے اور یہ چیز بھی تحریک کے لیے کم مفید نہیں ہے۔

عدمِ صلاحیت

برادرانِ وطن تک دعوتِ حق نہ پہنچانے کی ایک وجہ ہمارے کارکنوں کا یہ احساس ہے کہ اُن میں اس کام کی صلاحیت نہیں ہے، لیکن یہ احساس کسی دعوت یا تحریک کے علم بردار کو زیب نہیں دیتا۔ کسی نظریہ، تحریک یا دین پر ایمان و یقین رکھنے والا صلاحیت پر غور کرنے کی مہلت نہیں پاتا، اس کا یقین، اس کا جذبہ، اس کا جنون اُسے مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اپنی بات ہر ہر شخص تک پہنچائے خواہ علمی و فکری لحاظ سے اس کا مقام اس سے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ تحریکِ اسلامی کے ابتدائی دور میں ہمارے

کارکنوں — کم علم اور کم صلاحیت کارکنوں نے اپنے جذبِ دروں سے مجبور ہو کر اعلیٰ سے اعلیٰ افراد تک دعوتِ حق پہنچائی ہے اور بہتر سے بہتر افراد کو تحریکِ اسلامی کے کارواں میں شامل ہونے کے لیے آمادہ کر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کام کے لیے سب سے بڑی جس صلاحیت کی ضرورت ہے، وہ پختہ یقین، جذبِ دروں اور حق اور دعوتِ حق کے لیے والہانہ جنون ہے، افراد دلائل سے زیادہ یقینِ محکم، سوزِ دروں اور جنون و والہیت سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جس چیز کی ضرورت ہے وہ صلاحیت نہیں، "صالحیت" ہے۔ حسنِ کردار اور حُسنِ سلوک وہ لاجواب ہتھیار ہیں جو کبھی ناکام نہیں ہوتے۔ قرنِ اوّل میں دعوتِ حق کے فروغ میں جتنا دخل قرآنِ مجید کے دلائل اور اس کے زورِ بیان کو ہے، اتنا ہی دخل اللہ کے رسُولؐ اور صحابۂ کرامؓ کے حسنِ کردار اور حُسنِ اخلاق کو ہے اور یہی حال بعد کے اَدوار کا بھی ہے۔ داعیانِ حق کا ایمان و یقین، اُن کا سوزِ دروں، حق کے لیے اُن کی والہیت اور ان کا حسنِ عمل سب سے زیادہ اثرانداز ہوتا ہے۔ آج بھی جو لوگ اسلام کی خاطر اسلام کے آغوش میں آرہے ہیں، ان کی اکثریت دلائل سے زیادہ اچھے اور سچے مسلمانوں کے حسنِ کردار سے متاثر ہو کر آرہی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے کارکن اس سلسلے میں خواہ مخواہ کے احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں، وہ اگر برادرانِ وطن سے ربط ضبط رکھیں اور انھیں اُن سے بات چیت کرنے کا موقع ملے تو انہیں بہت جلد محسوس ہو جائے گا کہ عوام تو عوام غیر مسلم خواص بھی احساسِ کمتری کا شکار ہیں، وہ اس وقت

ایک عظیم خلاسے دو چار ہیں، وہ یقین سے محروم ہیں، اُن کے پاس نسلی وتہذیبی عصبیت کے سوا کوئی شے نہیں، آپ ایمان ویقین رکھتے ہیں، آپ کے پاس اسلام جیسا دینِ حق ہے جو معقول اور مدلّل ہونے کے ساتھ قلب و رُوح کو سکون و طمانیت بخشنے والا اور عالمِ انسانی کے پیچیدہ مسائل کا حقیقی واحد حل ہے، اس حق میں خود بہت بڑی کشش ہے، آپ تو ایک واسطہ اور بہانہ ہیں، پھر آپ کے پاس وقت کا بہترین لٹریچر ہے، اس کے ساتھ اگر آپ للّٰہیت، حسنِ عمل اور انسانوں کے ساتھ رحمت ومواسات اور دل سوزی و خیر خواہی کے اعلیٰ اوصاف سے آراستہ ہوں تو آپ بڑے سے بڑے شخص کو متاثر کرسکیں گے اور آپ کا کم صلاحیت ہونا آپ کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے گا۔

یہ کوئی نظری بات نہیں ہے، اِدھر کچھ سالوں میں ہندوستان میں عموماً اور یوپی میں خصوصاً غیر مسلموں میں دعوتِ حق کا جو تھوڑا سا کام ہوا ہے اور جس کے نتیجہ میں بہت سی سعید رُوحوں نے حق کو قبول کرنے کی توفیق پائی ہے، یہ کام اکثر و بیشتر ہمارے بہت ہی کم صلاحیت کارکنوں کا ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ راہ صلاحیت سے زیادہ یقین، عزم اور حسنِ عمل کی طالب ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ کسی کام کے لیے مطلوبہ صلاحیت اُس کام کی کامیابی کی ضامن ہے، لیکن یہ صلاحیت پیدا کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ آپ سے آپ کہیں سے ٹپک نہیں پڑتی، آپ کو غیر مسلموں میں دعوتِ حق کی کام کی اہمیت کا

احساس ہو اور اس کی اجر کی طلب ہو تو آپ دن رات ایک کرکے صلاحیت خود پیدا کریں گے۔ یہ صلاحیت کیا ہے؟ آپ کو اسلام کا صحیح علم ہوتا کہ آپ اسلام کی دعوت کو صحیح انداز میں مدلّل طور پر پیش کر سکیں، یہ آپ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے، آپ کے پاس قرآنِ مجید، تفاسیر، احادیثِ رسول کے تراجم اور سیرت اور اسلامی تعلیمات پر بہترین کتابیں موجود ہیں، ضرورت صرف اُن کے گہرے مطالعہ کی ہے، یہ مطالعہ آپ کے اپنے ایمان، اپنے عمل، اپنی تربیت، ملّت کی اصلاح اور غیر مسلموں تک دعوتِ حق پہنچانے، سب کے لیے یکساں ضروری اور مفید ہے۔

دُوسری ضروری صلاحیت غیر مسلموں میں کام کرنے کے لیے یہ ہے کہ آپ کو اُن کی نفسیات، نظریات، روایات، مذہب اور موجودہ رُجحانات کا علم ہو، اس کا ایک طریقہ کتابوں کا مطالعہ ہے اور اُردو، ہندی اور انگریزی میں ایسی بہت سی کتابیں مل سکتی ہیں جن سے آپ یہ صلاحیت پیدا کر سکتے ہیں اور ان کتابوں کا مطالعہ یقیناً آپ کے لیے معاون و مددگار ہو گا۔

لیکن کتابی علم سے زیادہ جو چیز آپ کے لیے مفید ہوگی، وہ غیر مسلم عوام و خواص سے ربط ضبط بڑھا کر خود ان کی ذہنیت، نفسیات، نظریات اور رجحانات کو سمجھنا ہے، کتابی علم سے یہ علم زیادہ مفید ہے۔ آج کا ہندو سماج اپنے مذہبی سرچشموں اور دھارمک گرنتھوں سے بہت دُور جا پڑا ہے اور اسے سمجھنے کے لیے کتابوں سے زیادہ خود اس سماج سے قریب ہونے کی

ضرورت ہے اور یہ عمل آپ کے دعوتی روابط کے دوران انشاء اللہ حُسن وخوبی کے ساتھ ہو سکے گا۔

مناسب لٹریچر کی کمی

ایک اور چیز جس کا احساس ہمارے کارکنوں کو بار بار ہوتا ہے، غیر مسلموں کو دینے کے لیے مناسب لٹریچر کی کمی ہے۔ یہ احساس ایک حد تک صحیح ہے، جماعت کے ذمہ داروں کو بھی اس کا احساس ہے چنانچہ موجودہ پالیسی اور پروگرام میں اس کی تلافی کی ایک حد تک کوشش کی گئی ہے۔ مختلف علاقائی زبانوں میں قرآنِ مجید کے ترجمہ اور مختصر تفسیر کی منتقلی، حدیث کے ایک مجموعہ کا علاقائی زبانوں میں ترجمہ، علاقائی زبانوں میں اخبارات ورسائل کی اشاعت، غیر مسلموں کی مناسبت سے جدید لٹریچر کی تیاری، ایسے افراد کی تیاری جو عربی اور اُردو سے موزوں کتابیں مختلف علاقائی زبانوں میں منتقل کر سکیں اور خود اِن زبانوں میں اوریجنل کتابیں لکھ سکیں ـــــ یہ ہیں موجودہ چہار سالہ میقات کے لیے طے شدہ پروگرام کے کچھ اجزاء، پروگرام پر عمل درآمد کا آغاز ہو گیا ہے اور اُمّید ہے کہ موجودہ میقات میں اس سلسلے میں خاصی پیش رفت ہو سکے گی۔

لیکن اس سلسلے میں چند باتیں پیشِ نظر رہنی چاہئیں:۔

ایک یہ کہ دعوتی کام کے آغاز کے لیے لٹریچر پر انحصار صحیح نہیں ہے۔ یہ بات مُسلمانوں کے سلسلے میں بھی مناسب نہیں تھی اور غیر مسلموں کے سلسلے میں تو اور بھی مناسب نہیں ہے۔ ہمارا پہلا کام اُن سے ربط ضبط بڑھانا اور ان کے دُکھ درد میں ان کے کام آنا اور اس طرح ان کا اعتماد اور حُسنِ ظن حاصل کر لینا

ہے اور پھر اُن کے ذہن ، ان کی نفسیات ، ان کے خیالات ، ان کی اُلجھنوں اور مسائل کو کما حقہٗ سمجھنا اور ان کو پیشِ نظر رکھ کر اُن کی ذہنی گتھیوں کو ایک ایک کر کے سلجھانا اور اُن کے مسائل میں انھیں صحیح مشورے دینا ہے ، یہ کام لٹریچر بہت کم کر سکتا ہے ، آپ کی سُوجھ بُوجھ ، آپ کا فہم دین اور آپ کی حکیمانہ گفتگو اس سلسلے میں زیادہ مؤثر رول ادا کر سکتے ہیں ، لٹریچر تو اس سلسلہ میں آپ کی بس ایک حد تک ہی مدد کر سکتا ہے ، آپ کو نہ صرف یہ کہ یہ فہم ، یہ حکمت اور گفتگو کا یہ انداز اپنے اندر پیدا کرنا ہے بلکہ لٹریچر کو بھی اس طرح ہضم کرنا ہے کہ آپ خود چلتے پھرتے لٹریچر بن جائیں ، اُسی وقت آپ صحیح داعی بن سکیں گے ۔

دُوسری بات یہ کہ ہندوستانی سماج کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ یا کم تعلیم یافتہ ہے ، جو لوگ تعلیم یافتہ ہیں وہ بھی مطالعہ کا زیادہ شوق اور غور و فکر کی زیادہ صلاحیت نہیں رکھتے ، بہت سے لوگ کتابیں مروّۃً لے لیتے ہیں اور لے جا کر گھر رکھ دیتے ہیں ، پھر کچھ دنوں کے بعد واپس کر دیتے ہیں اور گفتگو سے ایسا ظاہر کرتے ہیں گویا اُنھوں نے سب کچھ پڑھ لیا ہے ، کچھ لوگ کتابیں اس لیے بھی لے لیتے ہیں کہ آپ انھیں تعلیم یافتہ سمجھیں ، لیکن جو لوگ کتابیں پڑھنے کے لیے لے لیتے ہیں ، اُن میں بھی کم ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مطالعہ اور غور و فکر کے صحیح انداز سے واقف ہوں اور اس کا حق ادا کرتے ہوں ۔ صورتِ حال کا یہ تجزیہ اگر صحیح ہے ـــ اور یقیناً صحیح ہے ـــ تو ہمیں دعوتِ حق دینے کے لیے کتابوں سے زیادہ ملاقاتوں اور گفتگوؤں سے کام لینا ہوگا اور مخاطب کی

94687

جانب سے اصرار ہونے ہی پر اُسے کتابیں دینا مفید رہے گا لیکن ملاقاتوں اور گفتگوؤں سے اِس بات کا اندازہ لگاتے رہنا ہو گا کہ مخاطب نے دی ہوئی کتاب کو پڑھا ہے یا نہیں، پڑھا ہے تو کتنا سمجھا ہے اور اگر اس کے ذہن میں کچھ سوالات یا شکوک وشبہات اُبھرے ہیں تو اُن کا ازالہ اپنی حکیمانہ گفتگو سے کرنا ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہمارے پاس جو لٹریچر ہے وہ اگرچہ غیر مسلموں کو سامنے رکھ کر نہیں لکھا گیا ہے مگر آج کے ذہن کو سامنے رکھ کر ضرور لکھا گیا ہے اور اس لیے وہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے لیے بھی بہت کچھ مفید ہے ـــ البتہ ہمیں یہ ضرور دیکھنا ہو گا کہ لٹریچر میں سے کون سا جزو غیر مسلموں کے لیے زیادہ مُفید ہے ـــ اس سارے لٹریچر کو غیر مُفید، از کار رفتہ یا بعد از وقت OUT OF DATE قرار دینا غیر منصفانہ اور غیر علمی بات ہے، یہ بات زیادہ تر وہ لوگ کہتے ہیں جنھیں اپنے علم و فکر کی برتری کا ضرورت سے زیادہ احساس ہے یا انھیں قدیم لٹریچر سے فکری اختلاف ہے، اِس لیے وہ اسے آوٹ آف ڈیٹ قرار دے کر اُسے رد کر دینا چاہتے ہیں، ہمیں بہر حال یہ راہ اختیار نہیں کرنا ہے، ہمیں علم و فکر کی راہ میں برابر آگے بڑھتے رہنا ہے، جدید اور جدید ترین لٹریچر تیار کرنا ہے مگر قدیم لٹریچر سے بھی پُوری طرح استفادہ کرنا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مُسلم سماج کے لیے موزوں لٹریچر تیار کرنا زیادہ دشوار کام نہیں ہے، ہم خود اس سماج کا جزو ہیں، اس کے خیالات و افکار، اس کے رسم ورواج اور اس کے کھوٹے کھرے کو ہم خوب جانتے ہیں، اِس لیے

اس سماج کی اصلاح کے لیے جب چاہیں مناسب لٹریچر تیار کر سکتے ہیں، اس کے لیے دین کے صحیح فہم، یقین کی گرمی، دلسوزی، اصلاح و دعوت کے حکیمانہ انداز، قوتِ استدلال اور زورِ قلم کی ضرورت ہے، مگر غیر مسلم سماج کا معاملہ مختلف ہے، اس سماج کو ہم بہت کم جانتے ہیں۔ اس سماج سے دُور رہتے ہوئے ہم اپنے گھروں اور دفتروں میں مطالعہ کی میز پر بیٹھ کر جو کچھ سوچیں گے اور لکھیں گے وہ برادرانِ وطن کے لیے کچھ زیادہ مفید نہ ہوگا۔ غیر مسلموں کے لیے موزوں لٹریچر اُسی وقت تیار ہو سکے گا جب ہم ان کی نفسیات، خیالات و جذبات، افکار و نظریات، رُجحانات و میلانات اور تحریکوں اور جماعتوں کو اچھی طرح سمجھ لیں، لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہوگا جب ہمارا ان سے گہرا ربط ضبط ہو اور ہم ان سے قریب ہو کر اُن سے ملاقاتیں اور گفتگوئیں کر کے انھیں زیادہ سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کریں، اُن تک دعوتِ حق پہنچانے کے دوران ہی ہمیں صحیح اندازہ ہو سکے گا کہ کن کن موضوعات پر کس طرح کا لٹریچر درکار ہے، اس کا اندازِ استدلال کیا ہو اور کون سی ذہنی گتھیاں اور عملی مسائل ہیں جن کو کتابوں یا مقالات کے ذریعہ سلجھانا ہے۔ بالفاظِ دیگر آپ کا دعوتی کام موزوں لٹریچر کی تیاری کی بنیاد بنے گا، موزوں لٹریچر تیار کرنے پر مجبور کرے گا، لٹریچر کی تیاری کا رُخ متعین کرے گا اور اس کی کھپت کا ذریعہ بنے گا لیکن اگر آپ دعوتی جد و جہد تیز نہیں کریں گے اور موزوں لٹریچر کی تیاری کے انتظار میں بیٹھے رہیں گے تو "موزوں لٹریچر" کبھی تیار نہ ہوگا اور دعوتی کام کا بھی آغاز نہ ہو سکے گا۔

زبان کی اجنبیت

برادرانِ وطن میں دعوت پہنچانے کے سلسلے میں ایک بڑا مانع زبان کی اجنبیت ہے، کیرالا اور چند دُوسرے علاقوں کو چھوڑ کر مسلمانانِ ہند کی زبان عموماً اُردو ہے اور غیر مسلموں کا تعلق اُردو سے برائے نام رہ گیا ہے، ان کی زبان یا ہندی ہے یا کوئی علاقائی زبان۔ ہمارے کارکن ان زبانوں کو نہیں جانتے یا اُن میں تحریر و تقریر کی صلاحیت نہیں رکھتے، اِس لیے وہ برادرانِ وطن تک دعوتِ حق پہنچانے میں خود کو بے بس محسوس کرتے ہیں۔

بلاشُبہ یہ بہت بڑا مانع ہے لیکن یہ مانع خود ہماری غفلت کا اور جماعتِ اسلامی ہند کی ہدایات کی خلاف ورزی کا راست نتیجہ ہے۔ جماعتِ اسلامی ہند نے ۱۹۴۸ء میں تشکیلِ نو کے فوراً بعد ہندستان میں تحریکِ اسلامی کے لیے جو لائحۂ عمل طے کیا تھا اور جو طویل عرصہ تک اس کا لائحۂ عمل رہا، اس کی ایک اہم دفعہ یہ تھی کہ تحریکِ اسلامی کے کارکن ہندی اور علاقائی زبانیں سیکھیں اور تحریکِ اسلامی کا لٹریچر ان زبانوں میں جلد سے جلد منتقل کر دیا جائے۔ تیس سال ہوگئے، اگر ہم ہندی یا علاقائی زبانوں کو نہ سیکھ سکے تو اسے اپنی کوتاہی اور فرض ناشناسی کے علاوہ اور کس چیز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال کم از کم اب ہمارے کارکنوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہندی یا علاقائی زبانوں کا سیکھنا تحریکِ اسلامی اور دعوتِ حق کے لیے ناگزیر ہے اور یہ کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ کسی زبان کے ماحول میں رہتے ہوئے آدمی پہلے ٹوٹی پھوٹی زبان بولنے اور لکھنے لگتا ہے، پھر ذرا سی توجہ سے اُسے صحیح زبان آجاتی ہے، ہاں ادبی زبان سیکھنے میں وقت لگتا ہے اور جو لوگ چاہتے

LIBRARY

ہیں، وقت لگا کر اس دشواری پر بھی قابو پا لیتے ہیں، لیکن عام کارکنوں کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ ہندی اور علاقائی زبان، بول چال اور کچھ لکھنے پڑھنے کی حد تک سیکھ لیں، خود حکومت نے مختلف زبانوں کے سکھانے کے لیے کتابیں شائع کرائی ہیں جن کے ذریعہ متعلقہ زبان کو بہ آسانی سیکھا جا سکتا ہے۔

بلاشبہ اردو کا تحفظ وارتقا مسلمانانِ ہند کے لیے مختلف پہلوؤں سے ضروری ہے لیکن اتنا ہی ضروری ہندی اور علاقائی زبانوں کا سیکھنا ہے، اس کے بغیر وہ نہ دُنیا میں ترقی کر سکتے ہیں، نہ دین کی دعوت کا کام انجام دے سکتے ہیں۔ یہ کام تو انہیں بہر صورت اور بہر قیمت کرنا ہے!

نومسلموں کے مسائل

شادی بیاہ کا مسئلہ

ایک اور اہم بات، جو ہمارے کارکنوں کی طرف سے آتی ہے، یہ ہے کہ دعوتِ حق پیش کرنا تو آسان ہے مگر حق کو قبول کرنے والوں کے مسائل حل کرنا آسان نہیں ہے، مسلم معاشرہ اس قابل نہیں ہے کہ وہ ان مسائل کو حل کر سکے۔ جماعت کے ایک سوچنے والے فرد نے تقریباً پندرہ بیس سال پہلے غیر مسلموں میں میرے دعوتی ذوق کے پیشِ نظر مجھ سے کہا تھا، آپ نے اس کے نتائج کا اندازہ کر لیا ہے؟ میں نے پوچھا، کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حق کی دعوت دینے کے نتیجہ میں فساد ہو جائے گا؟ اگر آپ کو یہ اندیشہ ہے تو میں اس مصیبت کے جھیلنے کے لیے تیار ہوں، اگر اس ملک میں ہماری جان مال، آبرو کو اس لیے خطرہ لاحق

JAA... LIBRARY New Delhi

ہو کہ ہم نے ایک بھائی کو راہِ حق دکھائی ہے تو ہیں یہ قربانی دینے کے لیے آمادہ ہوں، آج کل جو فسادات ہوتے ہیں، وہ کسی افواہ یا غلط فہمی کی بنیاد پر ہوتے ہیں یا کسی غنڈہ کی غنڈہ گردی کا نتیجہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے — حالانکہ غنڈہ کا نہ کوئی مذہب ہوتا ہے، نہ وہ کسی قوم کا نمائندہ ہوتا ہے، وہ صرف غنڈہ ہوتا ہے — لیکن اگر اسلام کی دعوت کے جرم میں ہم مارے گئے تو یہ قربانی خدا کی راہ میں اس کی رضا کے لیے ہوگی، اس سے ملّت زندہ ہو جائے گی، دین سے ملّت کا گہرا تعلق ہو جائے گا اور دنیا و آخرت میں اس کے بہترین نتائج نکلیں گے۔ انھوں نے کہا، نہیں، میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں، میں نومسلموں کی شادی بیاہ کی بات کر رہا ہوں، میں نے کہا، جو دعوتِ حق کے لیے اُٹھیں انھیں اس کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ وہ نومسلموں اور ان کی اولاد کو اپنی بیٹیاں اور بیٹے دیں اور میں اس کے لیے تیار ہوں۔

یہ بات جو اَب سے پندرہ بیس سال قبل کہی گئی تھی، آج بھی ہمارے غور و فکر کی طالب ہے، جاہلی و عجمی تصورات کے تحت مسلمانوں میں چھوت چھات تو نہیں لیکن اونچ نیچ کا تصور کسی حد تک موجود ہے اور برادری کے باہر شادی نہ کرنے کا رواج بھی پایا جاتا ہے، پچاس سال قبل ان دونوں میں اور بھی شدت تھی، اسی کا ایک شاخسانہ نومسلموں کی شادی کا مسئلہ بھی تھا، یہ مسلمانوں کی ہر برادری سے باہر کے لوگ تھے، ان سے شادی بیاہ کا معاملہ کون کرتا۔ مسلم سماج کا عمومی حال یہ تھا کہ بعض علاقوں اور برادریوں میں لڑکی بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہو جاتی مگر اس کی شادی نہ ہو پاتی کیوں کہ

برادری کے اندر مناسب بَر نہ ملتا اور برادری سے باہر شادی کرنا معیوب تھا، نومسلموں کے سلسلے میں یہی کچھ ہوا، یا تو ان کی شادی نہ ہوتی یا نامناسب یا ان کی حیثیت سے کم تر جگہ ہوتی، یہاں تک سُنا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے خاندان سمیت اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی، ان کی شرط بس یہ تھی کہ اُن کے لڑکے اور لڑکیوں کے لیے حسبِ حیثیت مناسب رشتے فراہم کر دیے جائیں، مسلم سماج مناسب رشتے فراہم نہ کر سکا اور وہ اندر سے مسلمان ہونے اور چھپ چھپ کر نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کے باوجود بظاہر کفر کی حالت میں فوت ہوئے اور اُن کا خاندان ظاہر و باطن دونوں پہلوؤں سے کفر کی آغوش میں چلا گیا۔ کتنی بڑی ٹریجڈی ہے یہ! اس کا خمیازہ مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں کس قدر بھگتنا پڑے گا، اِس کے تصوّر ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں! یہ صورتِ حال اوّلین فرصت میں تبدیل ہونی چاہیے، مسلمانوں کی مختلف برادریوں کے مابین شادی کے سلسلے میں بھی اور نومسلموں کی شادی کے معاملہ میں بھی!

بد قسمتی سے ہمارے کچھ علماء نے کتاب و سنّت کی تصریحات کے علی الرغم پیشہ اور نسل کی بنیاد پر اُونچ نیچ کے اِس جاہلی تصور کو سندِ توثیق عطا کر دی ہے، اِس لیے اُن سے اِس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ خود اپنے فتووں کے خلاف کوئی عملی اقدام کر سکیں گے لیکن تحریکِ اسلامی سے وابستہ افراد سے اس بات کی بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اِس سماجی بُرائی کو ختم کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کریں گے۔

لیکن غیر مسلموں میں دعوت کا کام نہ کرنے کے لیے یہ کس طرح عذر بن سکتا ہے ، یہ بات کم از کم میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہمارا سماج اگر ایک بُرائی میں لت پت ہے تو ہمیں پہلی فرصت میں اس بُرائی کو دُور کرنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ نہ یہ کہ اُسے بہانہ بنا کر ہم اس سے بڑی دوسری بُرائی کا ارتکاب کریں اور غیر مسلموں تک دعوتِ حق پہنچانے کی جو ذمہ داری ہم پر آتی ہے اس سے صرفِ نظر کر کے انھیں جہنم میں جانے دیں اور خود بھی عذابِ جہنم کے مستحق بنیں ، اگر یہ ہمارے سوچنے کا انداز ہے تو انتہائی غلط اور خطرناک انداز ہے اور ہم سے کس نے کہا ہے کہ ہم اسلام کی دعوت ، تحریکِ اسلامی اور اسلامی انقلاب کا نام لیں جبکہ ہم اپنے سماج کے اندر کے اتنی سی تبدیلی لانے کو بھی تیار نہیں ہیں ، کیا سماج کو اسلامی تعلیمات میں ڈھالے بغیر ہم اسلامی انقلاب لانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں ؟

تاہم اس وقت اِس پہلو سے مسلم سماج کا جو حال ہے وہ مایوس کن نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اپنے اوپر مایوسی کو زبردستی مسلط کر لیں اور اس "عذرِ لنگ" کو غیر مُسلموں میں دعوتی کام نہ کرنے کے لیے معقول شرعی عذر سمجھنے لگیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم سماج کی صورتِ حال آہستہ آہستہ بدل رہی ہے ، جو حالات اَب سے پچاس سال پہلے تھے ، وہ اب نہیں ہیں ، اور حالات کا یہ رُخ جاری رہا اور اصلاحی کوششیں سرگرم عمل رہیں تو حالات مزید سُدھر جائیں گے ، معاشی خوش حالی ، تعلیمی و تمدنی ارتقاء مغرب سے آئی ہوئی روشن خیالی اور اسلامی تحریکات کے بڑھتے ہوئے اثرات اور اصلاحی کوششوں کے نتیجہ میں مسلم سماج کے اندر اونچ نیچ کا تصور مدھم پڑتا جا رہا ہے۔ مختلف برادریوں میں شادی کا رواج بڑھ رہا ہے،

نام نہاد اونچی اور نیچی برادریوں میں رشتے ہو رہے ہیں اور نومسلموں کی شادی کا مسئلہ پہلے کے مقابلہ میں اب خاصا آسان ہوچکا ہے، بعض علاقوں میں اور یو-پی کی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے علاقوں میں صورتِ حال اس حد تک بدل گئی ہے کہ نومسلم اچھوتوں کو بھی شادی میں کوئی زحمت پیش نہیں آرہی ہے، مسلمان اب بس یہ دیکھتے ہیں کہ نووارد مخلص مسلمان ہو اور اپنی بیوی بچوں کا پیٹ پال سکتا ہو، یقیناً بعض ریاستوں میں صورتِ حال اب بھی سنگین ہے۔ ان ریاستوں میں نومسلموں کی شادی ایک مسئلہ بنے گی۔ لیکن "اسلامی انقلاب" کا دعویٰ لے کر اُٹھنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اِس سماجی روگ کے ازالہ کے لیے اپنی سعی جدوجہد کریں اور اِس ذیل میں اپنا عملی نمونہ ملت کے سامنے رکھیں پھر رہتی دُنیا تک اِس "سُنّتِ حَسَنہ" کے رواج کا انھیں اَجر ملتا رہے گا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئٌ

(مسلم)

جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا رواج ڈالا تو اُسے اُس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا اجر بھی جو اُس کے بعد اس پر عمل کریں گے بغیر اُس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو۔

لیکن اگر خدانخواستہ یہ مسئلہ کسی ریاست یا کسی ضلع میں کوشش کے باوجود حل نہ ہو تو انشاء اللہ دوسرے ضلعوں یا ریاستوں میں حل ہو جائے گا۔ ضرورت اس

امر کی ہے کہ ذمہ داروں کو اس امر کی بروقت اطلاع ہو اور ہم اشتراک و تعاون سے اِس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

تعلیم و تربیت کا مسئلہ

لیکن نومسلموں کا یہی ایک مسئلہ تو نہیں ہے، جو ہمیں حل کرنا ہے، اُن کا سب سے اہم مسئلہ تعلیم و تربیت کا ہے اور اس کا ابھی تک کوئی خاطر خواہ نظم نہیں ہو سکا ہے۔ یہ بات جان کر ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ جنوب کی بعض ریاستوں میں بعض مسلم جماعتوں اور بعض دیندار افراد کی کوششوں سے بہت سے افراد دائرۂ اِسلام میں آچکے ہیں لیکن ابھی حال میں ان علاقوں کا جو سروے ہمارے کارکنوں اور خود میں نے کیا اس سے جو صورتِ حال سامنے آئی وہ بہت افسوسناک تھی، بعض جگہ تو لوگ ایمان لاکر واپس پلٹ گئے۔ اگرچہ ایسے افراد بہت تھوڑے ہیں اور ایسا شمال میں بھی کہیں کہیں ہوا اور جو بدستور مسلمان بنے رہے وہ عموماً بس نام کے مسلمان ہیں، نہ انھیں اسلام کا علم ہے، نہ ان کا کردار اسلامی ہے، حد یہ ہے کہ بہت سے نومسلم نماز تک نہیں پڑھتے، غیر مسلم سماج اور مسلمان معاشرے، دونوں کی خرابیاں ان کے اندر موجود ہیں، تعلیمی اور معاشی پستی مزید براں ہے، مزید افسوسناک بات یہ ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کی فکر کسی کو نہیں ہے۔ شمال میں صورتِ حال اگرچہ مختلف ہے مگر بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ بڑی زحمت یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ اتنا بگڑا ہوا ہے کہ اگر نومسلموں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ نہ دی جائے اور مُسلمانوں کے بگاڑ سے انھیں بچانے کی شعوری جدوجہد نہ کی جائے تو وہ "ہر چیز کہ درکانِ نمک رفت نمک شد" کے مصداق بن جائیں گے اور ان کا مسلمان ہونا نہ ہونا عملاً برابر ہو گا۔

عمومی تعلیم و تربیت کے مسئلہ کے علاوہ دعوتِ حق قبول کرنے والے نوجوانوں کی اعلیٰ تعلیم کا اور نومسلموں کی اولاد کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ بھی ہے۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ باشعور اور اہلِ خیر مسلمانوں کے تعاون سے یہ مسئلہ بھی حل ہوسکے گا، بس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس کے لیے خصوصیت سے فکر مند ہوں اور بروقت ذمہ داروں کو حل کی طرف متوجہ کریں اور ہمدردی اور اتفاق رکھنے والے اصحاب کا تعاون حاصل کریں۔

نومسلموں کا ایک اور اہم مسئلہ اُن کا معاشی مسئلہ ہے۔ مسلمانوں کا عام حال یہ ہے کہ وہ کلمہ پڑھاکر نومسلموں کو رخصت کردیتے ہیں اور پھر پلٹ کر نہیں دیکھتے کہ اُن کا حال کیا ہے، حالانکہ اسلام قبول کرنے کے بعد بالعموم لوگوں کا معاشی مسئلہ پیچیدہ ہو جاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور یہ تلخ اور دردناک صورتِ حال بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ کچھ نومسلم سوال کرنے کے عادی بن جاتے ہیں اور اسلام کو ذریعۂ معاش بنا لیتے ہیں۔ یہ مسئلہ کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں ہے، مسلمانوں میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اخلاص کے ساتھ ایمان لانے والوں کی اعانت کو اپنی سعادت خیال کرتے ہیں، البتہ وہ بجا طور پر اِسے پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص مالی منفعت یا کسی دُنیوی لالچ کے تحت اسلام قبول کرے اور پھر مسلمانوں کو بیوقوف بنائے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ ایک طرف ہم نومسلموں میں استغنا کی صفت پیدا کریں، ان پر اچھی طرح واضح کردیں کہ وہ جو اقدام کریں صرف خدا کو خوش کرنے اور آخرت کی نجات حاصل کرنے کے لیے کریں۔ صرف اِسی لیے آدمی کو اپنا دھرم چھوڑنا چاہیئے اور جس دھرم کو وہ حق سمجھتا ہے، اُسے قبول کرنا چاہیے، کسی دَباؤ، کسی خوف، کسی لالچ اور کسی مالی منفعت کے حصُول

کے لیے اپنے دھرم کو چھوڑنا اور دوسرا دھرم اختیار کرنا، اپنے اوپر اور دونوں دھرموں پر ظلم کرنا ہے۔ اِس لیے انھیں لالچ کا شکار نہ ہونا چاہیے۔ نہ انھیں دستِ سوال دراز کرنا چاہیے جو انسانیت کی تذلیل اور خدا کو سخت مبغوض ہے، انھیں یہ بھی بتانا چاہیے کہ رَاہِ حق میں بہت سی مشکلات اور آزمائشیں آتی ہیں جنھیں صبر و استقامت کے ساتھ انگیز کرنا چاہیے اور غیرِ خدا کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا چاہیے، یہ ان سے کہنے کی بات ہے، دوسری طرف ہمارے اپنے کرنے کا کام یہ ہے کہ اہلِ خیر مسلمانوں کے تعاون سے ان کے معاشی مسئلہ کو بروقت حل کرنے کی اِس طرح جدوجہد کریں کہ نہ انھیں دستِ سوال دراز کرنا پڑے اور نہ اُن کی خودی اور عزتِ نفس مجروح ہو، وہ اپنے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر عزّت کے ساتھ اپنی روزی کما سکیں۔

معاشرتی مسئلہ نومسلموں کا ایک اور مسئلہ اُن کا معاشرتی مسئلہ ہے، اِسلام لانے کے بعد بسا اوقات ان کے لیے اُن کے اپنے وطن کی سرزمین تنگ ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا مگر اُن کی تعلیم و تربیت کے پہلو سے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ غیر اسلامی ماحول کو چھوڑ کر اسلامی ماحول میں چلے آئیں، اسلام میں ہجرت کی اہمیت اِس پہلو سے بھی ہے، قرآن مجید میں اس بات کو اس طرح فرمایا گیا ہے :-

یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ٥ (عنکبوت)

اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو، میری زمین وسیع ہے تو تم میری اور صرف میری بندگی کرو۔

یعنی اگر تمہارے وطن کی زمین میری بندگی کے لیے تنگ ہو رہی ہے تو اپنے وطن سے چمٹے رہنے کے بجائے خدا کی وسیع زمین کی طرف نکل کھڑے ہو اور جہاں خدا کی لاشریک بندگی کی سہولتیں میسر ہوں، وہاں قیام پذیر ہو کر اپنی زندگی کو اللہ کی رضا جوئی اور بندگی کے سانچے میں ڈھال لو۔

یہ مسئلہ خاصا اہم ہے اور بعض اوقات کچھ پیچیدگی بھی اختیار کر لیتا ہے مگر یہ کوئی لاینحل مسئلہ نہیں ہے اور دردمند مسلمانوں کے تعاون سے اس مسئلہ کو حسن و خوبی کے ساتھ حل کیا جا سکتا ہے۔

فریب دہی و بے کرداری نومسلموں کا تو نہیں، لیکن نومسلموں کے سلسلے کا ایک اہم مسئلہ جس سے ہمارے کارکن اور عام مسلمان دوچار ہوتے ہیں، یہ ہے کہ کچھ لوگ نومسلم بن کر مسلمانوں کو بے وقوف بناتے اور انھیں دھوکا دیتے ہیں یا ان کی توقعات کے مطابق ثابت نہیں ہوتے مثلاً کچھ لوگ نومسلم بن کر لوگوں سے مالی منفعت حاصل کرتے اور لمبی رقمیں لے کر دھوکا دے کر چلے جاتے ہیں، ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو جھوٹ موٹ نومسلم بن کر مسلمانوں کو ٹھگتے پھرتے ہیں اور وہ بھی ہوتے ہیں جو مالی منفعت حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول کرتے ہیں اور اسلام قبول کر کے جائز و ناجائز، ہر طریقہ سے مالی منفعت حاصل کرنے میں لگ جاتے ہیں اور وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو اسلام تو خلوصِ دل سے قبول کرتے ہیں مگر مسلمانوں کے غلط کردار یا ان کے غلط جذبۂ خیر اور حسنِ سلوک کے نتیجہ میں حریص الطبع ہونے کی بنا پر لوگوں سے تعاون حاصل کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے، کچھ لوگ نومسلم بن کر مسلمانوں میں گھستے، ان کے اندرونی حالات معلوم کرتے اور جاسوسی

کا مشغلہ اختیار کرتے ہیں، کچھ لوگ کسی غرض سے ایمان لاتے ہیں، پھر غرض پوری ہوتی نہ دیکھ کر یا غرض پوری ہو چکنے کے بعد اُلٹے پاؤں پھر جاتے ہیں، کچھ لوگ مسلمان لڑکیوں سے شادی کر کے بلا کسی معقول وجہ کے یا لڑکیوں کو ستا کر انھیں طلاق دے دیتے ہیں، اور کچھ لوگ تو اور بھی غضب ڈھاتے ہیں، وہ مُرتد ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ مسلمان لڑکی کو بھی لے جاتے ہیں یا لے جانے کے لیے پُورا زور لگا دیتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کے لیے دردِ سر بن جاتے ہیں، کچھ لوگ یہ سب تو نہیں کرتے مگر ایک سچے مسلمان کے کردار کا مظاہرہ نہیں کرتے، اِن سب باتوں کو دیکھ دیکھ کر عام مسلمان اور بعض دفعہ ہمارے کارکن بھی بددل ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ نومسلموں۔ سچے نومسلموں کے مسائل میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لیتے اور کچھ لوگ اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ غیر مسلموں تک دعوتِ حق پہنچانے کے کام کو فضول خیال کرنے لگتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں میں اسلام کی طرف جو لوگ بھی آئیں گے اسی طرح کے ہوں گے اور اسی کردار کا مظاہرہ کریں گے، پھر خواہ مخواہ کیوں زحمت اُٹھائی جائے اور کب تک بے وقوف بنا جائے!

اِس صورتِ حال سے ہمارے کارکنوں کو بار بار سابقہ پیش آیا ہے، اس کے باوجود ہمارا فیصلہ یہی ہے کہ غیر مسلموں تک دعوتِ حق پہنچانے کا کام ہمیں بہرصورت کرنا ہے، یہ تو اللہ کا عائد کردہ فریضہ اور ہمارا مقصدِ حیات ہے، اس راہ میں جو مشکلات پیش آئیں اور جن مصائب سے بھی دوچار ہونا پڑے انھیں بہر قیمت انگیز کرنا ہے مگر اس کام کو ایک لمحہ کے لیے نہیں چھوڑنا ہے، نہ ہمیں اسے چھوڑنے کا اختیار ہے اور

کون سا عظیم کام ہے جو مصائب میں پڑے اور قربانیاں دیئے بغیر انجام پاتا رہو!

پھر یہ نئی صورتِ حال نہیں ہے جو آج پہلی بار سامنے آئی ہو۔ دورِ نبوی میں یہ سب کچھ ہوا تھا، مدنی دور میں منافقین کی کافی تعداد تھی جو اہلِ ایمان اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت بڑا مسئلہ بنی ہوئی تھی، یہ لوگ اہلِ کفر سے سازشیں کرتے، مسلمانوں اور اسلام کی تباہی و بربادی کے منصوبے بناتے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کا مذاق اُڑاتے، انھیں دھوکا دیتے، طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے، بُہتان تراشیاں کرتے، شب و روز جھوٹے پروپگنڈے کرتے۔ اہل ایمان کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور بغاوت پر اُبھارتے، نازک مواقع پر، جبکہ اہلِ ایمان خطرات میں گھرے ہوتے، دغا دے کر راہِ فرار اختیار کرتے اور مخلص اہلِ ایمان کو "سفہا" اور "مفسد" قرار دیتے۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر اس طرح ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ۝ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡاۤ اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ۝ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰـكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ۝ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡاۤ اَنُؤۡمِنُ كَمَا

اُمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝
وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ
قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ
بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا
كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ (بقرہ: ۸ تا ۱۶)

اور لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخر (آخرت) پر حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں، وہ اللہ اور اہلِ ایمان کو دھوکا دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مصلح ہیں، سنو، وہ تو مفسد ہی ہیں مگر انھیں شعور نہیں، جب اُن سے کہا جاتا ہے، ایمان لاؤ جس طرح لوگ (صحابہ کرامؓ) ایمان لائے تو وہ کہتے ہیں کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے ہیں۔ سنو درحقیقت وہی بے وقوف ہیں مگر انہیں علم نہیں، اور جب وہ اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیاطین (سرداروں) کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں، تو کہتے ہیں، ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں، ہم تو صرف (اہلِ ایمان سے) مذاق کر رہے ہیں! اللہ ان سے مذاق کرتا ہے اور انھیں ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اندھے

بن کر سرکشی و بغاوت میں سرگرداں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو اُن کی تجارت نفع بخش ثابت نہیں ہوئی اور وہ راہِ ہدایت نہ پا سکے۔

سُورۂ بقرہ ہی نہیں، سورۂ آلِ عمران، سُورۂ نساء، سُورۂ توبہ، سورۂ منافقون اور دوسری متعدد سُورتوں میں منافقین کی بے کرداریوں، خدا و رسُول کی نافرمانیوں اور اسلام اور مخلص مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا تفصیلی تذکرہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے بارے میں اعلان فرمایا :-

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ (نساء: ١٤٥)

مُنافقین دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

یہ مُنافقین کون تھے؟ غلط کار نومسلم ہی تو تھے۔ لیکن اِن کی غلط کاریوں کی بدولت کیا غیر مسلموں میں دعوتِ حق کا کام اللہ کے رسُولؐ یا صحابۂ کرامؓ میں سے کسی نے بھی ایک لمحہ کے لیے بند کیا؟ نومسلموں کے مسائل سے صرفِ نظر کیا؟ ایسا بالکل نہیں ہوا، ورنہ مسلمانوں کی تعداد ہزار دو ہزار سے آگے نہ بڑھتی۔ اس کے برعکس اللہ کے رسُول اور آپ کے جلیل القدر ساتھیوں نے حکمت و تدبر کے ساتھ ان کی کوششوں اور سازشوں کو ناکام بنا دیا اور اسی کے ساتھ انتہائی محبت و شفقت اور حکمت و موعظت کے ساتھ ان کی اصلاح کی جدوجہد میں لگے رہے یہاں تک کہ ان میں سے اکثر و بیشتر لوگ مخلص مسلمان اور دین کے سچے خادم بن گئے۔ آج بھی ہمیں اسی اسوے کی پیروی کرنا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی دعوتِ اسلامی کا کام ہوگا، ہر طرح کے لوگ

آگے بڑھیں گے اور ہماری احتیاطی تدابیر کے باوجود کمزور کردار کے لوگ بھی اسلام کے دائرے میں آجائیں گے جو اپنی پچھلی کمزوریوں کے ساتھ بگڑے ہوئے مسلمانوں کی کمزوریاں بھی قبول کرلیں گے، کچھ مفاد پرست اور سازشی بھی اہلِ حق کی صفوں میں گھس آئیں گے اور حکمت و تدبّر اور نصرتِ الٰہی کے ذریعہ ہی ہم اُن کی مفاد پرستیوں کا علاج اور ان کی سازشی کوششوں کا توڑ کرسکیں گے لیکن چند افراد کی غلط کاریوں کی وجہ سے نہ غیر مسلموں میں دعوتِ حق کے کام کو بند کرنا صحیح ہوگا اور نہ نومسلموں کے مسائل سے صرفِ نظر کرنا مناسب، پھر یہ ٹھوس اور تلخ حقیقت بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونا چاہیے کہ جو مسلم معاشرہ آج موجود ہے۔ اور نومسلم اسی معاشرہ میں رہتا بستا اور اس سے مسلسل اثرات قبول کرتا ہے۔ وہ بحیثیت مجموعی اتنا پست ہے کہ اگر کوئی نومسلم پستیٔ کردار کا مظاہرہ کرتا ہے تو ہمیں اُسے الزام دینے کے بجائے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیے اور خود کو اور اپنے معاشرے کو الزام دینا چاہیے اور یہ بھی تو دیکھیۓ کہ خود تحریکِ اسلامی اور اقامتِ دین کی مساعی کے سلسلے میں امت کے بہت سے اصاغر و اکابر کا کیا حال ہے؟ کیسے کیسے شیخ الحدیث، شیخ طریقت، مفتیانِ دین اور اربابِ علم و قلم تقویٰ و تقدس کی پوری آن بان کے ساتھ اِس تحریک کو ناکام بنا دینے کے لیے میدان میں آگئے ہیں اور آج ہی نہیں، تحریک کے آغاز سے یہی ہو رہا ہے اور یہ کچھ عصرِ حاضر کی خصوصیت نہیں ہے۔ جب بھی کوئی مجدّد اور کوئی مصلحِ اُمت کی اصلاح کے لیے اُٹھا ہوا ہے۔ بگڑے ہوئے عوام ہی نہیں، علماء و مشائخ کی ایک تعداد نے اس کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں، اس کے خلاف فتنے اٹھائے ہیں اور اس پر فتووں کی بارش کی ہے تو کیا اُمت کی اِن

غلط کاریوں اور اس کے زعماء کی اِن فتنہ انگیزیوں سے متاثر ہو کر ہم اُمت کی اصلاح کی مُہم کو لپیٹ کر رکھ دیں ؟ کیا ایسا کرنا صحیح ہوگا ؟ کیا ایسا سوچنا بھی صحیح ہوگا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اسی طرح کی غلطیوں اور کمزوریوں کے نتیجہ میں غیر مسلموں اور نومسلموں سے مُنہ موڑ لینا کیونکر صحیح ہوگا؟

طریقِ کار

سب سے آخر میں یہ سوال اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ غیر مسلموں کو تحریکِ اسلامی سے متعارف کرانے کا طریقہ کیا ہو؟ گزشتہ صفحات میں اگرچہ یہ بات منتشر طور پر آگئی ہے مگر آسانی کے لیے میں مختصراً کچھ باتوں کی طرف یکجائی اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ حقوق کی ادائیگی دعوتِ اسلامی سے ہم غیر مسلموں کو متعارف کرتے ہیں یا نہیں، اِس سے بھی مُقدم مسئلہ یہ ہے کہ بحیثیت انسان اور بحیثیت پڑوسی کے غیر مسلموں کے جو ہم پر حقوق ہیں، وہ ہم ادا کرتے ہیں یا نہیں، اگر نہیں ادا کرتے اور یقیناً نہیں ادا کرتے۔ اور مُسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین جو عظیم خلیج حائل ہوگئی ہے، اس کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم نے ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی برتی ہے۔

ان کی زیادتیوں کے باوجود ہمیں ان کے ساتھ عدل و انصاف کا رویہ اختیار کرنا چاہیے تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ہدایت ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ - (مائدہ ۵-۸)

اے ایمان لانے والو! اللہ کے لیے اُٹھنے والے، انصاف کی گواہی دینے والے بنو، اور تمہیں کسی گروہ کی عداوت اس بات پر ہرگز آمادہ نہ کرنے پائے کہ تم انصاف نہ کرو (نہیں ہر حال میں) انصاف کرو، یہی خدا ترسی سے قریب ہے۔

انصاف ہی نہیں، انصاف سے آگے بڑھ کر غیر مسلموں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور حُسنِ اخلاق کی روش اپنانے اور ان کے دُکھ سُکھ میں شریک ہونے کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:-

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِھِمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○ (ممتحنہ - ۸)

جن (کفار) نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، ان سے حُسنِ سلوک کرنے اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کرنے سے خُدا تمہیں نہیں روکتا، حقیقت یہ ہے کہ خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

یہ دورِ جہاد و قتال کا حکم ہے، دعوتی دَور میں اس پر عمل کرنے کی اور بھی اہمیت ہے:-

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ (حم سجدہ :- ۳۴)

اچھی اور بُری روش برابر نہیں ہوسکتی، بُری روش کو بہترین روش

سے دفع کرو تو تم دیکھو گے کہ جو تمہارا دشمن تھا وہ گویا کہ تمہارا گہرا مخلص دوست ہوگیا ہے۔

ہندوستان کا سب سے گمبھیر مسئلہ یہی ہے کہ یہاں کی دو عظیم قوموں ــ ہندوؤں اور مسلمانوں ــ کے درمیان غلط فہمیوں اور بدگمانیوں ہی کی نہیں، نفرت و عداوت کی خلیج حائل ہے۔ ملک، ملّت اور دین، سب کا مفاد اس میں ہے کہ یہ صورتِ حال بدلے، اس کا ازالہ کتابوں، تقریروں اور گفتگوؤں سے بھی ہوسکتا ہے مگر اس کے ازالہ کی حقیقی شکل یہ ہے کہ ہم صرف اللہ کی رضا اور فلاحِ آخرت کے حصول کے لیے غیر مسلموں کے ان حقوق کو ادا کرنے میں لگ جائیں جو اللہ نے ہم پر عائد کیے ہیں۔ ہم اُن کے لیے عدل و انصاف، رحمت و مواسات اور حسنِ اخلاق کے پیکر بن جائیں، ہم ان کی بے لوث خدمت کریں خواہ ہمیں ایک فی ہزار بھی یہ اُمید نہ ہو کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے بہی خواہ بن سکتے یا دعوتِ اسلامی قبول کرسکتے ہیں، اگرچہ عام حالات میں بہت سے لوگوں کے سلسلے میں اس روش کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ انہیں اسلام، تحریکِ اسلامی اور ملّتِ اسلامیہ سے حسنِ ظن پیدا ہو جائے گا اور ان میں سے کچھ سعید رُوحیں دعوتِ حق کو ضرور قبول کرلیں گی، حُسنِ سلوک اور حُسنِ کردار کے ہتھیار کہیں ناکام نہیں ہوتے۔

۲۔ تعاون واشتراک۔ جن غیر مسلموں سے ہمارے اچھے روابط قائم ہو جائیں اِنسانی سماج کی خدمت، سماج کی اصلاح اور نیکی و خدا ترسی کے فروغ کے سلسلے میں ہم اُن کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اُن کے ساتھ تعاون کریں۔ قرآن مجید میں ہے:۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ (مائدہ ۵:۲)

اور کسی گروہ کی دُشمنی ۔ اس بنا پر کہ اُنہوں نے تمہیں مسجدِ حرام (کی حاضری) سے روکا ۔ تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرنے پائے کہ تم زیادتی کرو، نہیں! تم بِرّ اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور اثم و عدوان کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

"بِرّ" کا لفظ اگرچہ نیکی کے لیے عام ہے مگر اس کا اطلاق خصوصیت سے انسانی حقوق کی ادائیگی کے لیے ہوتا ہے اور "اثم" کا خصوصیت سے انسانی حقوق کے اتلاف کے لیے یہ بھی دورِ جہاد و قتال کی آیت ہے اور اُس زمانہ کی ہے جبکہ مُسلمانوں کو خانۂ کعبہ کی حاضری سے قریش نے روک دیا تھا اس لیے ان کے جذبات مشتعل تھے۔

۳۔ مطالعۂ انسان

روابط قائم ہو جانے پر اسلامی دعوت پہنچانے میں جلدی نہ کیجئے بلکہ روابط بڑھا کر اور اپنے غیر مسلم بھائی کو مختلف موضوعات پر بات چیت کرنے کا موقع دے کر اس کے ذہن، جذبات، نفسیات اور زندگی کو سمجھنے کی کوشش کیجئے، حُسنِ تعلقات کے بعد دوسرا اہم ترین کام یہی ہے ذہن اور عملی زندگی کو سمجھے بغیر آپ جو دعوت دیں گے وہ مضر ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ مخاطب اسلام سے اور دُور ہو جائے۔

۴۔ گفتگو ذہن کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اُسے سامنے رکھ کر اپنے مخاطب سے گفتگو کیجئے۔ گفتگو نرمی، محبت، دل سوزی اور حکمت کے ساتھ ہو، سب باتیں ایک دم

منوانے کی کوشش نہ کیجیے، اسلام کے عقائد اور بنیادی تعلیمات کو تھوڑا تھوڑا کر کے سمجھائیے، بات واضح مگر حکیمانہ ہو، دل سوزی کے ساتھ ہو، مخالف نظریات پر تنقید نہیں کیجیے مگر حکمت اور دل سوزی کے ساتھ بحث اور تکرار سے بچنے کی پوری کوشش کیجیے، دماغ کو دماغ سے نہ ٹکرائیے، دل کو دل سے آواز دیجیے۔

۵ - مطالعۂ کتب مخاطب کی جانب سے اسلامی کتابوں کا مطالبہ ہو تو پہلے مختصر اور چھوٹی کتابیں دیجیے اور گفتگو سے یہ معلوم کرنے کی حکیمانہ کوشش کیجیے کہ کتاب کو انہوں نے کتنا سمجھا ہے۔ بناؤ بگاڑ، سلامتی کا راستہ اور رسالۂ دینیات اور ان کے ترجمے ابتداءً مطالعہ کے لیے دینا مفید رہے گا، سیرت پر موزون کتاب بھی مؤثر ثابت ہوگی، قرآن مجید کا ترجمہ کچھ کتابوں کے مطالعہ کے بعد دیجیے۔

ہماری قابل قدر مطبوعات

- سورۂ یٰسٓ از تفہیم القرآن ______ ۲/۵۰
- معرکۂ فرعون و کلیمؑ ______ (اخلاق حسین) ___ ۹/=
- عورت اور اسلام ______ (سید جلال الدین عمری) ۳/۵۰
- مولانا مودودی اور فکری انقلاب ___ (متین طارق) ___ ۶/=
- سیرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ___ (سیّد ابوالاعلیٰ)

اول ۵۰/=

دوم ۵۰/=

- عہدِ حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح پر ایک نظر ___

(عروج قادری) ___ ۵/=

- اسلام ایک نظامِ تربیت ___

(انعام الرحمٰن خاں) ___ ۲/۵۰

فہرست کتب

منگوا کر اپنی پسند کی کتابوں کا انتخاب کیجیے

مرکزی مکتبہ اسلامی

دہلی۶

ہماری کچھ نئی مطبوعات

زادِ راہ (مجموعۂ احادیث)	مولانا جلیل احسن ندوی	۱۲/۰۰
حضرت یوسفؑ قرآن کے آئینے میں	سید احمد قادری	۲/-
تبلیغ کیسے کی جائے	اُمّ زبیر	۵۰/=
تخلیق آدم	اکرام الدین احمد	۶/۰۰
نکاح کے اسلامی قوانین	صدر الدین اصلاحی	۳/۰۰
افشاں (مجموعۂ کلام)	نعیم صدیقی	۶/۰۰
حق کی تلاش	التفات احمد	۴/۰۰
مناظر قیامت	سید قطب شہیدؒ	۱۲/۰۰
ایمان اور زندگی	علامہ یوسف القرضاوی	۵/۵۰
بُنیادی حقوق	محمد صلاح الدین	۱۲/۰۰
کشف المحجوب	مترجم: میاں طفیل محمد	۱۳/۰۰
مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ (اول)	مولانا مفتی محمد یوسف	۱۲/۰۰
" " " (دوم)	"	۱۲/۰۰
مولانا مودودی اور فکری انقلاب	ستین طارق باغپتی	۹/۰۰
خطبات اوّل تا ششم مجلد	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۳/-
غیر سودی بنک کاری (نیا ایڈیشن)	ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی	۱۰/۰۰
عورت اور اسلام	جلال الدین انصر عمری	۳/۵۰

مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دہلی